پارس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نمرہ احمد

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ناول

پارس

نمرہ احمد

کانفرنس روم میں گفتگو کی بھنبھناہٹ سی تھی۔
لمبی میز کے گرد براجمان افراد میں سے کچھ آپس میں معمول کی بات چیت کر رہے تھے..... باقی اپنے کاغذات اور فائلز کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔
یہ کسی اہم میٹنگ کے آغاز سے قبل کا ایک منظر تھا۔ کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی خالی تھی۔ کرسی کے دائیں طرف بیٹھے صاحب گاہے بہ گاہے کبھی کرسی پہ اور کبھی گھڑی پر نگاہ ڈال لیتے انتظار..... درانتظار.....

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کمرے کی سڑک کو رخ کرتی دیوار شیشے کی بنی تھی۔ اس کے پار نظر آتا منظر بہت حسین اور پُرفسوں تھا۔ نیلا آسمان، کپاس کے لچھوں جیسے بادل جو سرسبز پہاڑیوں نے اپنے سروں پہ تاج کی صورت پہن رکھے تھے، گہری کھائیاں اور ناگن کی سی بل کھاتی سرمئی سڑک۔ کہیں چہل قدمی کرتے سیاح..... کہیں اِکا دُکا گاڑیاں۔ وہ صبح اپنی تمام تر خوب صورتی اور رعنائی کے ساتھ بہت ٹھنڈی سی اتر رہی تھی۔

یہ مری سے قدرے دور ایک الگ، تھلگ سی وادی کا منظر تھا۔ یہ سارا علاقہ شہر کے رش، دھوئیں اور شور سے محفوظ کسی پوشیدہ جنت کے مانند تھا اور اپنے شیشے سے اس کا حسن دکھاتا یہ کانفرنس روم اس علاقے کے سب سے بڑے اور واحد سکس اسٹار ہوٹل کا تھا۔ یہ جس بلاک کی سب سے اوپری منزل پہ واقع تھا، وہ ہوٹل کے رہائشی بلاکس سے ہٹ کر تھا اور مینجمنٹ کے زیر استعمال ہی رہتا تھا۔

شیشے کے پار جو سڑک دکھائی دے رہی تھی وہ ہوٹل کے عقبی طرف تھی اور اُدھر کے ہی گیٹ سے ہوٹل مالکان اور اہم آفیسرز داخل ہوا کرتے تھے۔ ابھی کافی دیر سے وہ سڑک سنسان پڑی تھی۔ سربراہی کرسی کے ساتھ بیٹھے صاحب نے گھڑی اور خالی کرسی کو بار بار دیکھ کر اکتانے کے بعد یونہی گردن موڑ کر نیچے دیکھا تو اسی پل داخلی گیٹ سے ایک سیاہ چمکتی کار اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ وہ صاحب الرٹ سے واپس سیدھے ہوئے، ایک نظر اپنے اردگرد بے پروائی سے بیٹھے عملے پہ ڈالی اور پھر ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے خاموشی سے اپنی فائل کھول لی۔

وہ سیاہ کار گیٹ کے اندر آ رکی۔ شوفر نے جھٹ نکل کر پچھلا دروازہ کھولا۔ ایک سیاہ کولہا پوری چپل میں مقید پیر زمین پر رکھتا دکھائی دیا اور پھر ایک لڑکی سیدھی ہوتی ہوئی باہر نکلی۔ اوپر سے اس کے چہرے کے خدوخال ٹھیک سے نظر نہیں آئے تھے۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسز تھے۔ سانولی رنگت، سر کے وسط سے نکلی سیدھی مانگ..... مانگ کے دونوں اطراف کے بال دونوں کندھوں اور کمر کو ڈھانپتے سیدھے کٹی تک گرتے، اتنے سیاہ اور یکجا تھے جیسے شیمپو کے اشتہار میں ماڈلز کے ہوتے ہیں کہ کہیں بھی دو بالوں کے درمیان خلا نہ دِکھتا۔

ایک سیاہ ہینڈ بیگ کہنی سے لٹک رہا تھا۔ سرمئی سادہ شلوار قمیص اور کندھوں پر سیاہ شال جو پیچھے سے آتی، کندھوں کو ڈھکتی اپنے دونوں سرے سامنے گراتی، جنہیں سینے سے نیچے اس کے بازوؤں نے سہارا دیا ہوا تھا، ایسے کہ شال کی بکل نہیں ماری گئی تھی۔ اس کا چہرہ البتہ اوپر سے دیکھنے پہ قطعاً واضح نہ تھا۔

وہ سر جھکائے اندر چلی گئی اور شیشے کی دیوار سے نظر آتے منظر سے غائب ہوگئی۔

ذرا دیر گزری اور کانفرنس روم کے گلاس ڈور کے پار جو شیشے کی دیوار کے مقابل تھے وہی لڑکی آتی دکھائی دی۔

کسی ایک کی نظر اس پہ پڑی، سرگوشی ہوئی، ایک سے دوسرے تک، نگاہیں اوپر اٹھیں، پورے کانفرنس روم میں ہلچل سی مچ گئی۔ فوراً کرسیں سیدھی ہوئیں، فائلز ٹھیک کیں، لیپ ٹاپس کھل گئے، دروازہ کھلنے کی آہٹ ہوئی اور انتظار ختم۔

وہ اندر آ رہی تھی۔ گلاسز جو خوب صورت سی چین سے متصل تھے گریبان پہ اٹکے تھے اور دروازے سے سربراہی کرسی پہ بیٹھنے تک اس کا چہرہ سب کی نگاہوں کا مرکز رہا تھا۔

بیضوی چہرہ، سانولی رنگت، پُرکشش نقش، سیاہ زلفیں، چوبیس پچیس سال کی عمر..... وہ سربراہی کرسی پہ آ بیٹھی اور بیگ میز پہ ایک طرف رکھا۔ یوں کرتے ہوئے اس کے کانوں میں پڑی چوڑی کے سائز کی سلور بالیاں واضح ہوئیں جو اس کے چہرے کو ایک عجب جاذبیت بخشتی تھیں۔ بیگ رکھ کر اس نے سر اٹھا

کر سب کو دیکھا اور تب اس کی آنکھیں دکھائی دیں۔ لانبی سیاہ آنکھیں، جن میں باہر آسمان کی سی شفافیت تھی، بادلوں کا سا مبہم سحر تھا اور پہاڑوں کی کھائی جتنی گہرائی تھی۔

اور ان آنکھوں میں کچھ اور بھی تھا..... شاید عجب خالی پن اور ویرانی..... امید اور خوشی کا یکسر ناپید ہونا۔

''گڈ مارننگ ایوری ون!'' اس نے بنا کسی مسکراہٹ کے سب کو مخاطب کیا۔ جواب میں ہلکی سی بھنبھناہٹ ہوئی، سر اثبات میں ہلے۔

''تنویر صاحب! جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ آپ کو آج آڈٹ کے متعلق بریف کرنا تھا۔'' وہ دائیں ہاتھ بیٹھے صاحب کی جانب متوجہ ہوئی۔ ''کیا آپ تیار ہیں، ہم شروع کریں؟''

''یس میم!'' وہ صاحب سر ہلا کر کھڑے ہوئے۔ ان کے ''میم'' کہنے کے انداز میں لاشعوری سی بے آرامی تھی، وہی جو اس کے گڈ مارننگ کے جواب میں وہاں موجود ہر شخص کے انداز میں تھی۔ عزت بھی تھی، احترام بھی تھا، تابعداری کا عہد بھی اور تعاون کی یقین دہانی بھی۔ مگر ایک ذرا سی بے آرامی، جیسے ابھی تک یقین نہ آیا ہو کہ وہ اس کی عزت، احترام، تابعداری اور تعاون پہ راضی ہوگئے ہوں۔

مگر یہ زندگی کے بہت سے دوسرے جذبوں کی طرح محض ایک اَن کہا سا تاثر ہی تھا۔ پانی کے بلبلے کی طرح ذرا دیر کو فضا میں اُڑا۔ مگر اپنی شفافیت کے باعث محسوس ہوئے بِنا ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ بات ہی ختم۔

تنویر صاحب نے کونے کی کرسی پر بیٹھی سیکرٹری کو اشارہ کیا، جس نے فوراً سر ہلاتے ہوئے لیپ ٹاپ پہ چند بٹن دبائے۔ پروجیکٹر پہ پریزنٹیشن چلنے لگی۔ میٹنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔

تنویر صاحب ہاتھ ہلاتے ہوئے بریفنگ دے رہے تھے، اپنے تجربے، علم اور رائے کو باہم یکساں کر کے بیان کر رہے تھے اور وہ انہی کو دیکھتی، توجہ سے سن رہی تھی۔

اور اس وقت اس کی توجہ ہرگز، ہرگز بھی شیشے کے دروازے کے پار راہداری کی طرف نہیں تھی۔

راہداری میں اس پل کوئی آتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ گرے ٹو پیس میں ملبوس، لمبا چوڑا، خوش شکل سا اٹھائیس، انتیس برس کا مرد تھا جس نے ہاتھ میں ایک فائل فولڈر پکڑ رکھا تھا۔ وہ کانفرنس روم سے ذرا دور، سیکرٹری کی ٹیبل کے ساتھ رکا، پھر متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا، چند لمحے کچھ سوچتا رہا اور ایسے کرتے ہوئے اس کی پُرکشش بھوری آنکھیں سکڑ گئیں پھر کسی نہج پہ پہنچ کر اس نے اسی ٹیبل کی کرسی کھینچی۔ اس کے انداز میں اعتماد اور آنکھوں میں عجیب سا عزم تھا۔

بیٹھتے ساتھ ہی اس نے پہلے سامنے بنے ایک آفس کی گلاس وال کے پار دیکھا۔ اندر کوئی نظر نہ آیا پھر گردن موڑ کر کانفرنس روم کو دیکھا.....

اور سربراہی کرسی پہ بیٹھی لڑکی پہ نظر پڑتے ہی اس کا سارا وجود رک گیا۔

''پارس.....!''

☆☆☆

وہ جس جگہ بیٹھا تھا، یہاں سے شیشے کے دروازے کے پار جاری کانفرنس صاف دکھائی دیتی، البتہ ساؤنڈ پروف گلاس کی وجہ سے آواز نہ پہنچتی۔

سربراہی کرسی پر براجمان لڑکی کا اِدھر سے نیم رخ نظر آ رہا تھا، دائیں آنکھ، دایاں گال، دائیں کان میں پڑی بالی، دائیں طرف کے بال۔ وہ تنویر صاحب کی طرف پوری یکسوئی سے متوجہ تھی۔

''پارس!'' وہ بے اختیار بڑبڑایا۔ پھر چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا جیسے کسی کے سن لینے سے ڈرتا ہو مگر وہ اکیلا تھا۔ اس کے چہرے پر سکون واپس آیا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے ، اس دفعہ قدرے اعتماد کے ساتھ، دوبارہ نگاہوں کا رخ اس لڑکی کی جانب کیا۔ منظر ویسا ہی تھا۔

مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے شیشے کے دروازے پر کسی ٹی وی اسکرین کی طرح ایک اور منظر چلنے لگا۔

آٹھ ماہ قبل کا منظر.....

وہ ایک اپارٹمنٹ کا لونگ روم تھا، جس کی اونچی فرنچ ونڈوز سے باہر رات اور روشنی میں ڈوبی بلند عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ امریکا کی کسی ریاست کا اپارٹمنٹ لگتا تھا۔ لونگ روم کے وسط میں وہ خود، جینز اور سوئٹر میں ملبوس ایک ہاتھ میں نوڈلز سے بھری پلیٹ اور دوسرے میں موبائل پکڑے چلتا آیا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے فون میں بولا۔

''خیریت..... بھائی جی؟ ایسی کیا بات ہے جسے بتانے کے لیے آپ اتنی لمبی تمہید باندھ رہے ہیں؟'' بولتے ہوئے اس کے چہرے پر تجسس بھرا اچنبھا تھا۔

جواب میں موبائل کے اسپیکر سے آواز گونجی ..... بھاری مردانہ آواز۔

''نامعلوم تمہیں سن کر کیسا لگے فیضی۔''

''آپ بتائیں تو سہی.....!'' موبائل میز پر رکھ کر اب وہ کانٹے میں نوڈلز لپیٹ رہا تھا۔

''میں نے شادی کرلی ہے۔''

نوڈلز لپیٹتا اس کا ہاتھ ٹھہر گیا اس نے سر اٹھایا، چہرے کے تاثرات بلینک ہوگئے جیسے سمجھ نہ آیا ہو، پہلے حیرت پھر خاموشی پھر ہچکچاہٹ.....

''جی؟ آ.....ویل .....مبارک ہو مگر اتنے اچانک..... میں آجاتا پہلی فلائٹ سے.....'' اب کے اس کی آنکھوں میں گلہ اترا۔

''نہیں، میں ابھی پارس کو اپنے خاندان سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے خود ہی کسی کو نہیں بلایا۔''

''پارس.....؟'' اس نے دُہرایا۔

''میری بیوی.....ہم نے ایک ماہ قبل شادی کی ہے، یہیں مری میں۔''

''اوہ، آپ ابھی تک مری میں ہیں؟'' وہ چونکا۔ ''ابھی ڈیڑھ ماہ پہلے آپ مری گئے تھے، برفباری دیکھنے اور مری والے ہوٹل کا وزٹ کرنے، میں سمجھا تھا کہ آپ واپس لاہور آگئے ہیں۔''

''نہیں فیضان، میں واپس نہیں آیا، مجھے یہاں کی آب وہوا راس آگئی ہے۔''

اس نے نوڈلز کی پلیٹ رکھ دی۔ چہرے کے تاثرات عجیب تھے جیسے پریشان ہو، خفا ہو مگر ظاہر نہ کرنے کی کوشش کررہا ہو۔

''جیسا کہ میں نے بتایا فیضی، میں پارس کو اپنے خاندان سے دور رکھنا چاہتا تھا، اسی لیے میں تمہیں بتا نہیں سکا۔''

''مگر کیوں بھائی جی؟''

''دیکھو جب ایک چوبیس سال کی ہوٹل ریسپشنسٹ، اڑتالیس برس کے ہوٹل مالک سے شادی کرتی ہے تو لوگ ان کے رشتے کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ بالخصوص جب شادی سے قبل انہیں ایک دوسرے کو جانے محض پندرہ دن ہی ہوئے ہوں۔'' وہ لمحے بھر کو رکے۔ ''میں اس پر شک نہیں کرتا مگر خاندان والے، تم، سویرا (بہن) تم لوگ اس کو اتنی جلدی قبول نہیں کروگے۔ اس لیے میں پہلے اس رشتے کو وقت دینا چاہتا ہوں، اس کے بعد میں اپنے خاندان کو پارس سے اور پارس کو اپنے خاندان والوں سے متعارف کروادوں گا۔ تب تک وہ مری والے گھر میں ہی رہے گی، کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟'' وہ خاموشی سے لب کاٹ رہا تھا۔

منظر تحلیل ہوا۔ یادیں دھندلی ہوگئیں۔ حال واپس اردگرد آن ٹھہرا۔

شیشے کے دروازے کے پار کانفرنس روم میں میٹنگ ہنوز جاری تھی۔ سیاہ بالوں والی لڑکی اسی

طرح بیٹھی تنویر صاحب کو سن رہی تھی۔

اس نے سر جھٹک کر رخ پھیرا۔ سامنے سیکرٹری کی خالی نشست تھی جس پر کمر کے آرام کے لیے نیلی گدی رکھی تھی۔ وہ گدی کے نیلے فیبرک کو دیکھنے لگا۔ چند لمحے ہی گزرے کہ حال پھر سے ماضی میں گم ہونے لگا۔ گدی کا نیلا کپڑا نیلگوں آسمان میں تبدیل ہوتا گیا۔

شام کا آسمان..... لمبی سڑک، کنارے پر گھنے اونچے، درخت۔ وہ دور سے بھاگتا آرہا تھا۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس، پسینے میں تر، کانوں میں ہینڈ فری لگائے، چہرے پر دبا دبا غصہ تھا، وہ جیسے خفگی سے فون میں کچھ بول رہا تھا۔ بولتے بولتے اب اس کی رفتار آہستہ ہوگئی تھی۔ جب وہ مزید قریب آیا تو تیز سانسوں کے درمیان الفاظ واضح ہوئے۔

''بھائی جی، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ابھی آپ کی شادی کو ڈیڑھ ماہ ہوا ہے اور آپ نے مری والا ہوٹل اس کے نام کردیا؟''

''اُن کے نام، فیضی۔'' انہوں نے سختی سے ٹوکا۔

اس کے چہرے پہ برہمی در آئی۔ بہرحال وہ بولا۔

''سوری..... مگر 'ان' کے نام اتنی جلدی کیوں پورا ہوٹل لگا دیا؟ آپ تو کہہ رہے تھے کہ اس رشتے کو وقت دیں گے؟''

''وہ میں دے رہا ہوں مگر مری والا ہوٹل اس کے حق مہر میں لکھوایا گیا تھا فیضی۔''

''واٹ؟'' وہ اپنے قدموں پہ رک گیا۔ چہرے پر بے یقینی در آئی۔ ''انہوں نے حق مہر میں آپ کا اربوں کی مالیت کا سکس اسٹار ہوٹل مانگ لیا؟''

''اس نے نہیں مانگا تھا، اس کی والدہ نے کہا تھا اور دیکھا جائے تو یہ مطالبہ حق بجانب تھا۔ میں پورے ملک میں آدھ درجن ہوٹلز کا مالک ہوں، ان میں سے ایک ہوٹل اگر وہ اس سیکورٹی کے تحت مانگتی ہیں کہ یہ امیر بڈھا چھٹیاں ختم ہوتے ہی ان کی بیٹی کو چھوڑ کر یعنی اس کی زندگی برباد کرکے کہیں نہیں چلا جائے تو وہ غلط تو نہیں ہیں۔''

''مری والا ہوٹل آپ کے باقی تمام ہوٹلز کی کل مالیت سے بھی مہنگا ہے بھائی جی۔ آپ غلطی کررہے ہیں مگر آپ کو احساس نہیں ہے۔''

''اس کو جج مت کرو، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' کانوں میں لگے ہینڈ فری سے گونجتی ان کی آواز تھکی تھکی تھی۔

''کیا کہہ سکتا ہوں۔'' اس نے آستین سے نم پیشانی رگڑی اور فون بند کردیا۔ پھر چند لمحے دبے دبے غصے سے فون کو دیکھتا رہا پھر فون بک سے ایک نمبر نکالا۔

''سویرا آپا، آسٹریلیا۔'' ڈائل کرکے فون کان سے لگایا اور پھر سے چلنے لگا۔

''سویرا آپا..... کیا آپ یقین کریں گی رضوان بھائی نے کیا کیا؟'' وہ جھنجلایا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''انہوں نے مری والا ہوٹل اپنی بیوی کے نام کردیا۔ بھائی بہت سادہ ہیں، اس دفعہ تو حد ہی کردی. بگر میں جلد پاکستان جاؤں گا اور دیکھ لوں گا اس عورت کو۔'' وہ بات کرتے ہوئے اب دور جا رہا تھا۔ آواز مدھم ہوتی گئی..... نیلا آسمان نیلی گدی میں غائب ہوا۔

دروازہ کھلنے کی بار بار آتی آواز۔ وہ چونک کر حال میں پلٹا۔ میٹنگ برخاست ہوچکی تھی۔ تمام افراد یکے بعد دیگرے باہر نکل رہے تھے۔ وہ البتہ ویسے ہی ساکت اندر بیٹھی تھی جیسے کوئی مجسمہ ہو۔

وہ وہیں بیٹھا پارس کو دیکھتا رہا۔ کچھ تھا اس عورت میں..... سحر..... طلسم۔ بار بار نگاہ اس کی طرف اٹھتی تھی۔ اس کی نگاہیں بھی بار بار اٹھیں اور پھر پارس کی بالی سے الجھ گئیں۔

سلور بالی کے گول دائرے کے اندر یادوں کا رنگ پھر سے بھرنے لگا۔

اس کے اپارٹمنٹ کا بیڈروم، بیڈ پہ کھلا بیگ اور

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ ساتھ کھڑا کپڑے تہ کر کے اندر رکھ رہا تھا۔ دفعتاً سائڈ ٹیبل پر دھرے فون کی اسکرین جلنے بجھنے لگی۔

''بھائی جی۔'' اس کے چہرے پر ہیجان نمودار ہوا۔ قدرے متذبذب انداز میں فیضان نے فون اٹھالیا۔

''جی، بھائی جی۔'' وہ فون کان سے لگائے ان کی باتوں کے جوابات دینے لگا۔

''بس ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟''

''نہیں کچھ خاص نہیں، روٹین، جاب، بس.....''

''نہیں، پاکستان آنے کا ابھی تو پروگرام نہیں۔'' الفاظ ذرا اٹکے، نگاہ ترچھی کر کے سائڈ ٹیبل پر ڈالی۔ پاسپورٹ، کل کی تاریخ کا پاکستان کا ٹکٹ۔ اس نے نگاہ چرالی۔

''جی، میں نے سویرا آپا کو پچھلے ہفتے کہا تھا کہ آؤں گا مگر ابھی ارادہ بدل گیا ہے۔'' کمرا مدھم ہو کر ہوا میں بہتا گیا۔ سلور بالی کے درمیان بھرے رنگ پارس کے بالوں میں مل کر سیاہ ہو گئے، وہ پھر سے چونکا۔

وہ باہر آرہی تھی۔ فیضان تیزی سے سیدھا ہوا، پھر اسے آتے دیکھ کر اپنے پتھریلے تاثرات میں زبردستی بشاشت پیدا کی۔

''مسز پارس!'' وہ اپنے آفس کی سمت جارہی تھی، آواز پہ پلٹی۔ سیاہ آنکھوں میں اجنبیت اور استفسار در آیا۔

''جی۔''

''میں..... آپ نے مجھے پہچانا؟'' سوال کرتے ہوئے فیضان کا سارا جسم تن گیا۔ خوفزدہ، پریشان، مضطرب .....وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ فیضان جواب کی تلاش اس کی آنکھوں میں کر رہا تھا۔ ان میں دیکھتے ہوئے بھی سارے وجود پہ سحر سا چھانے لگتا تھا۔

''سوری، کیا ہم مل چکے ہیں؟'' پارس کی سیاہ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا، انجان پن..... معذرت سے سر نفی میں ہلایا۔

''میں فائز ہوں۔'' اس نے دانستہ وقفہ دیا۔

''سوری آپ کس سلسلے میں آئے ہیں؟'' فیضان کے تنے تاثرات ریلیکس ہوئے، اطمینان، سکون۔

''آپ نے فنانشل ایڈوائزر کے لیے ایڈ دیا تھا۔ اسی سلسلے میں غالباً آپ کی سیکرٹری سے بات ہوئی تھی، مجھے گمان گزرا کہ وہ آپ تھیں، میں معذرت خواہ ہوں۔''

''اٹس اوکے، انٹرویو ٹائم دس بجے ہے، آپ جلدی آگئے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے وال کلاک پہ نظر ڈالی..... ابھی سوا نو ہوئے تھے۔

''شاید مجھے اس جاب کی باقی تمام امیدواروں سے زیادہ جلدی اور ضرورت ہے۔'' وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''اندر آجائیں۔'' وہ مڑ کر اپنے آفس میں چلی گئی۔ ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر در آئی۔ وہ اس کے پیچھے آیا۔

جب پارس اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھی تو وہ بھی سامنے بیٹھا اور تب اس نے دیکھا۔ پارس کے بائیں ہاتھ پر میز پر رکھے ایک فریم میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کی تصویر لگی تھی۔ کھچڑی بال، معمولی صورت، سیاہ سفید مونچھیں، مہربان مسکراہٹ..... فائز کے چہرے پر تکلیف سی ابھری مگر اگلے ہی پل اس کی جگہ مصنوعی مسکراہٹ نے لے لی۔

''آپ کے کریڈینشلز تو متاثر کن ہیں۔'' وہ اب اس کی فائل کے صفحے پلٹتی کہہ رہی تھی۔ فائز اب کے قدرتی پن سے مسکرایا۔ لمحے بھر کو اس کے ذہن کے پردوں پر ایک منظر ابھرا۔

وہ درمیانی عمر کا ایک آدمی اس نیم تاریک کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا اس کاغذ کو پڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے کاؤنٹر کے اس طرف فائز کسی اونچے اسٹول پر بیٹھا تھا۔

''مجھے یہ تمام کاغذات جلد از جلد چاہئیں۔

ڈگریاں سرٹیفکیٹ، سب۔'' آدمی نے فہرست پڑھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہوں..... ہو جائے گا مگر پیسے لگیں گے۔''

''پیسوں کی فکر مت کرو، بس کام پکا ہونا چاہیے۔''

''اتنا پکا ہوگا کہ تم ان پر الیکشن بھی لڑ سکو گے۔''

وہ چہرہ اٹھا کر بھونڈے انداز سے ہنسا۔ فیضان حیات سنجیدہ رہا۔ آدمی کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''کس نام سے بنوانا ہے؟''

''غور سے پڑھو..... اوپر لکھا ہے فائز حسن۔''

''فائز!'' اس نے دُہرایا۔

''فیضان سے فیض..... اور وہاں گورے فیض کو فائز بنا دیتے ہیں۔'' وہ وضاحت دے رہا تھا۔

منظر تحلیل ہو کر فضا میں بکھر گیا۔ پارس اب اس کی فائل بند کر رہی تھی۔ اس نے خود کو کمپوز کر لیا۔

''تو فائز صاحب، آپ آسٹریلیا سے اِدھر کیوں آئے؟'' اس نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے سنجیدگی سے فائز کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میم میرے فادر کی کافی عرصہ پہلے ڈیتھ ہو گئی تھی۔ میں سب سے بڑا ہوں، چھوٹی چار بہنیں ہیں، ان کی پڑھائی، جہیز، شادی سب مجھے ہی کرنا ہے۔ آسٹریلیا میں رہ کر میں زیادہ کما سکتا تھا مگر امی اور بہنیں مجھ سے دور نہیں رہنا چاہتیں، ان کا کہنا ہے کہ بھلے کوئی کم آمدنی جاب ہی کر لوں مگر یہیں کروں، اسی لیے میں واپس آگیا۔''

پارس کی آنکھوں میں خوشگوار سی حیرت ابھری، وہ مسکرائی نہیں مگر اس نے ستائشی انداز میں ابرو ضرور اٹھائی تھی۔

''اچھا..... تو اب لاہور سے اتنی دور مری؟''

''آسٹریلیا سے تو قریب ہی پڑتا ہے ناں مری۔'' وہ مسکرایا۔ پارس نے بنا کسی تاثر کے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ اس جاب کی نوعیت سے واقف ہیں، فائز صاحب.....؟ آپ جانتے ہیں میں نے یہ ہوٹل حال ہی میں سنبھالا ہے، اس لیے مجھے کسی قابلِ اعتماد اور ذہین انسان کی ضرورت ہے جو میرے فنانشل ایڈوائزر اور اسسٹنٹ کے طور پر کام کر سکے۔''

''میں اس کام کے لیے خود کو اہل سمجھتا ہوں۔''

''اوکے، دیگر انٹرویوز کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ ہمیں کس کو رکھنا ہے، آپ کو نتائج سے مطلع کر دیا جائے گا۔'' اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔ یہ انٹرویو ختم ہونے کا اشارہ تھا۔ وہ کھڑا ہوا پھر جیسے متذبذب سا رکا۔

''یہ..... آپ کے ہزبینڈ رضوان حیات کی تصویر ہے ناں؟'' پارس نے اشارے کی سمت دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چبھن سی اتری۔

''جی۔'' وہ بولی تو آواز ہلکی تھی۔

''ابھی باہر مجھے علم ہوا کہ چھ ماہ قبل ہی رضوان صاحب کی ڈیتھ ہوئی ہے۔ بہت افسوس ہوا۔ یہ جان کر اور بھی زیادہ کہ اس وقت آپ کی شادی کو صرف دو ماہ کا عرصہ گزرا تھا۔'' اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

پارس نے ہلکے سے اثبات کے ساتھ تعزیت وصول کی۔ اس کی آنکھوں میں اضطراب آگیا تھا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ان کا انتقال کیسے ہوا؟'' اس کا لہجہ اب بھی متاسف تھا مگر پارس کو غور سے دیکھتی آنکھوں میں پتھراہٹ سی تھی۔ پارس کی نگاہوں کا مرکز اب بھی وہی سیاہ فوٹو فریم تھا۔

''وہ..... سیڑھیوں سے..... گر گئے تھے.....'' اس نے تین حصوں میں فقرہ ادا کیا پھر نگاہیں اٹھا کر فائز کو دیکھا۔

وہ سمجھ کر افسوس سے سر ہلاتا چلا گیا تھا۔ وہ پھر سے فوٹو فریم کو دیکھنے لگی۔ اس کے سارے وجود میں اضطراب و بے چینی سی نظر آنے لگی تھی۔ چند لمحے بعد اس نے دوبارہ فریم سے نظر ہٹائی تو امید وار فائز

www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آفس کے باہر کھڑا تنویر صاحب سے بات کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنے پیچھے شیشے کے دروازے بند کر گیا تھا۔ آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ پارس نے سر جھٹک کر ایک فائل کھول لی۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی پارس کے آفس سے نکلا، سامنے سے آتے تنویر صاحب اسے دیکھ کر ٹھٹکے، رکے پھر حیرت سے اس کی طرف آئے۔ وہ ذرا سا مسکرایا پھر پلٹ کر دیکھا۔ پارس ویسے ہی ٹکٹکی باندھے فوٹو فریم کو دیکھ رہی تھی۔

''فیضی..... تم امریکا سے کب آئے؟'' ساتھ ہی انہوں نے پارس کی سمت دیکھا۔ وہ اب مطالعے کے لیے کوئی فائل کھول رہی تھی۔

''آہستہ تنویر بھائی، یہاں مجھے فائز حسن کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اسی نام سے پکارا جائے گا، جب میں میڈم پارس کا فنانشل ایڈوائزر بھرتی کر لیا جاؤں گا۔''

''کیا مطلب یعنی تم.....؟'' ان کی آنکھوں میں پریشانی اتری..... پھر سے پارس کو دیکھا۔ وہ متوجہ نہیں تھی۔

''میرے آفس میں آؤ۔'' دھیمی سرگوشی میں کہہ کر وہ مڑ گئے۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے پیچھے ہولیا۔

چند منٹ بعد وہ تنویر صاحب کے آفس میں ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کا انداز پُرسکون تھا جبکہ تنویر صاحب فکرمند دکھائی دے رہے تھے۔

''مجھے شروع سے بتاؤ، سارا معاملہ کیا ہے؟''

''سمپل.....! میں بھائی جی کی موت کا سراغ لگانے آیا ہوں۔'' اس کی بات پر تنویر صاحب کے چہرے پر تذبذب ابھرا۔

''تم جانتے ہو اُن کی موت کیسے ہوئی تھی!''

''آپ بتائیے، کیسے ہوئی تھی؟''

''وہ سیڑھیوں سے گرے تھے۔''

''کیا واقعی، تنویر بھائی؟'' اس کا انداز سرد سا تھا۔

''فیضی.....''

''یہ سیڑھیوں والی بات تو پارس نے مجھے بتائی ہے مگر میرے لیے زیادہ اہم وہ بات ہے جو آپ نے مجھے ان کی وفات کے بعد امریکا فون کر کے بتائی تھی۔''

''وہ میرا وہم بھی ہوسکتا ہے اور.....''

''وہ آپ کا وہم نہیں تھا۔ آپ بہت کلیئر تھے اس بارے میں کہ جب بھائی جی کو غسل دیا گیا تو آپ نے واضح طور پر ان کے سر کے پچھلے حصے میں کسی نوکیلی چیز کے گھب جانے کا نشان دیکھا تھا۔''

''میں اب بھی کلیئر ہوں۔'' وہ جلدی سے بولے۔ ''اور یہی وہ زخم تھا جو انہیں سیڑھیوں سے گرنے پہ آیا۔ جس کی وجہ سے اُن کا انتقال ہوا۔''

''بجا فرمایا آپ نے مگر یاد کریں، آپ ہی نے مجھے بتایا تھا کہ اس وقت سیڑھیوں پر یا ان کے آس پاس میں کوئی ایسی نوکیلی چیز نہیں تھی جس کے اوپر گرنے سے اس طرح کی چوٹ آتی۔''

''ایسا ہی تھا۔'' انہوں نے ہار تسلیم کرلی۔ ''میں اپنی کہی ساری باتوں پر قائم ہوں، تم سے بحث کر کے میرا مقصد تمہیں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے روکنا تھا فیضی مگر حقیقت یہ ہے کہ میرے ذہن نے کبھی اس ظاہری حادثے کو قبول نہیں کیا۔''

''نہ ہی میں اسے قبول کر سکا ہوں۔'' اس کے چہرے پر کرب اتر آیا۔ چند ثانیے کو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''تم جنازہ بھی نہیں پڑھ سکے، کاش میرا تم سے جلدی رابطہ ہوجاتا۔ پارس نے بس تھوڑا بہت انتظار کیا پھر تدفین کروادی۔ سویرا کی فلائٹ کا مسئلہ تھا، وہ بھی نہیں آسکی..... اور تم سے تو بات ہی تیسرے دن ہو پائی۔'' وہ افسوس سے یاد کرکے کہہ

رہے تھے۔

''اور اس سے زیادہ دردناک بات کیا ہوگی تنویر بھائی کہ بھائی جی کے انتقال والے دن میں پاکستان میں ہی تھا اور تین دن بعد ہر شے سے بے خبر جب واپس پہنچا تو آپ کے میسجز دیکھے۔''

تنویر صاحب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''تم تب پاکستان میں تھے؟ تو کیا تم رضوان سے ملے تھے، تم کہاں تھے؟ آخری دفعہ کب بات ہوئی تھی تمہاری اُن سے؟'' وہ بے اختیار آگے کو ہوئے۔ چہرے پر پریشانی، تجسس، حیرت سب واضح تھا۔

''امریکا میں آخری بات چار دسمبر کی رات کو ہوئی تھی جب میں پاکستان آنے کے لیے پیکنگ کر رہا تھا۔ ان کا فون آیا تھا مگر میں نے انہیں اپنی آمد کا نہیں بتایا۔ اس سے ٹھیک چار دن بعد میں اِدھر پہنچ چکا تھا۔ یہ وہی دن تھا جس رات بھائی جی کی ڈیتھ ہوئی تھی۔'' وہ بول رہا تھا اور آنکھوں میں کرچیاں سی چبھ رہی تھیں۔ ''میں نے انہیں اپنی آمد کی اطلاع اس لیے نہیں دی تھی کہ میں ان سے ملنے سے پہلے پارس میڈم کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتا تھا۔''

تنویر صاحب سانس روکے اس کی بات سن رہے تھے۔ وہ میز پر رکھے پیپر ویٹ کو دیکھتے ہوئے کہتا جا رہا تھا۔

''پہلے دو دن میں نے پارس کے بارے میں تحقیق کی، مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک عام، غریب سی لڑکی تھی جس کی گویا لاٹری نکل آئی تھی اور کچھ نہیں جان سکا پھر اسی دوپہر میں بھائی جی سے ملنے چلا آیا۔'' کہتے ہوئے اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ یہ کھڑکی چھوٹی تھی مگر اس سے بھی ہوٹل کا عقبی حصہ اور پارکنگ گیٹ دکھائی دیتا تھا۔

''اُدھر اسی گیٹ پر کھڑے ہوئے میں نے دیکھا تھا، ان دونوں کو.....'' کہتے ہوئے اس نے لمحے بھر کو آنکھیں موندیں۔ بند پلکوں کے پار ایک یاد جھلملانے لگی۔

ہوٹل کے عقبی گیٹ کے آس پاس پہاڑیوں اور سڑک پر برف جمی تھی۔ ہر سو سفیدی تھی۔ وہ گیٹ کے پیچھے کھڑا گردن اٹھائے اوپر دیکھ رہا تھا۔ اس نے سوئٹر کے اوپر جیکٹ اور سر پر اونی ٹوپی لے رکھی تھی۔ اوپر دکھائی دیتا منظر دیکھ کر آنکھوں میں عجیب دکھ اور بے بسی سی آگئی تھی۔

اوپر شیشے کی دیوار کے پار کانفرنس روم نمایاں تھا۔ ایک کرسی پر سیاہ بالوں والی لڑکی بیٹھی تھی اور سامنے بھائی جی۔ لڑکی سر جھکائے مسلسل روتے ہوئے بار بار نفی میں سر ہلا رہی تھی اور بھائی جی جیسے اسے چپ کروانے، بہلانے کی سعی کر رہے تھے۔

فیضی کے ابرو تن گئے۔ آنکھوں میں خفگی جھلکی۔ اس نے یخ بستہ ہاتھوں کو رگڑ کر گرم کیا اور موبائل نکالا۔ امریکا کا نمبر رومنگ پر تھا۔ بھائی جی کو کال ملا کر اس نے فون کان سے لگایا۔ گھنٹی جا رہی تھی بھائی جی نے گھنٹی سنی تو بات روکی، ذرا اکتا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ فون اٹھایا نمبر پر نگاہ ڈالی اور فون کان سے لگایا۔

''ہیلو فیضی!'' انداز مصروف تھا۔

پارس ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی جیسے جانے لگی ہو۔ جیسے بھائی جی کے منہ سے فیضان کا نام سن کر جانے لگی ہو۔ بھائی جی نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر جیسے روکا۔

''بھائی جی، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''میں بعد میں بات کرتا ہوں تم سے، ابھی میں مصروف ہوں۔''

''بھائی جی میری بات آپ کی مصروفیت سے زیادہ ضروری ہے۔'' وہ دبے دبے اشتعال سے بولا۔ اوپر جمی نگاہوں میں تپش در آئی تھی۔

''کہاں ناں فیضی بعد میں بات کرتے ہیں۔'' انہوں نے عجلت میں فون بند کیا اور پارس کو واپس بٹھایا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ ساکت ہوا ہاتھ میں فون پکڑے کھڑا رہ گیا پھر چند لمحے گزرے تو وہ ایک دم مڑا اور پیچھے کھڑی سفید کار کی طرف بڑھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ تنویر صاحب دلجمعی سے سن رہے تھے۔

''اس رات دیر تک میں انہی سڑکوں پر ڈرائیو کرتا رہا۔ میں ہوش میں نہیں تھا۔ غصہ، بے بسی، احساسِ محرومی، پارس سے نفرت، میں نے ہر شے اپنے اندر محسوس کی تھی۔ وہ ایک اداکارہ تھی جو مصنوعی آنسو بہا کر بھائی جی کو اپنے سامنے باندھے بیٹھی تھی اور اس کے لیے بھائی جی نے مجھے دھتکارا۔''

''دیکھو انہوں نے تمہیں دھتکارا نہیں تھا صرف بعد میں بات کرنے کا کہا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ کسی اہم مسئلے میں پھنسے ہوں۔''

''بات رویّے کی نہیں اس سیاق وسباق کی ہے جس میں، میں نے وہ منظر دیکھا۔ صرف پارس کی وجہ سے میں ان سے نہیں مل سکا۔ اس دن انہوں نے دو تین بار مجھے کال کی، میں نے فون ہی آف کر دیا۔ بس پاگلوں کی طرح ڈرائیو کرتا رہا۔ اس رات میں ہوش میں نہیں تھا۔ دل کرتا تھا کسی پہاڑ سے گاڑی دے ماروں۔ ایسا تو نہ تھا میں مگر ..... پھر رات میں، میں اسلام آباد چلا گیا۔ فون آف رکھا۔ سب سے دور ہوٹل میں لیٹا رہا۔ اگلے دن فلائٹ تھی۔ تیسرے روز جب امریکا پہنچا تو گھر کے فون پر آپ سب کے پیغامات سنے مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔'' اس کی آنکھیں شدتِ ضبط سے سرخ پڑ رہی تھیں۔ چہرے پر نفرت کی پتھراہٹ تھی۔

چند لمحے مزید سرکے۔ آفس میں چھایا تناؤ اب ڈھل کر ترحم و ہمدردی میں بدلنے لگا۔ تنویر صاحب کی پریشانی گم ہوئی، اب فقط فکرمندی رہ گئی۔

''اب تم نام بدل کر یہاں کیوں آئے ہو؟''

''پہلے میں اپنے نام سے آنا چاہتا تھا، بھائی جی کا بھائی بن کر، ان کی قبر دیکھنے مگر پھر رک گیا۔ یہ خیال کہ مجھے یہاں آپ کے اور افضل بابا کے سوا کوئی نہیں جانتا..... مجھے ایک دوسری سمت پر سوچنے پر مجبور کر گیا۔ اب اسی لیے میں فائز حسن کے روپ میں بھائی جی کے قتل کا سراغ لگانے یہاں موجود ہوں۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' تنویر صاحب قدرے توقف سے بولے۔

''سامنے کی بات ہے، بھائی جی کو قتل کیا گیا ہے اور یہ کام پارس کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔'' کمرے میں موت کا سناٹا چھا گیا۔

''فیضی..... فائز..... یہ بہت بڑا الزام ہے۔''

وہ متذبذب تھے۔

''یہ حقیقت ہے اور ایک دن میں پارس کے خلاف تمام ثبوت اکٹھے کر کے اس کو اقرارِ جرم کرنے پر مجبور کر دوں گا۔ آپ دیکھیے گا۔'' چند ثانیے پہلے کی تکلیف اب اس کے لہجے سے غائب تھی۔ اس کی جگہ سرد مہری، چبھن اور حد درجہ اعتماد نے لے لی تھی۔

''اور اگر اس نے تمہیں پہچان لیا؟''

''وہ مجھے نہیں پہچانتی، بے فکر رہیے۔ وہ مجھ سے کبھی نہیں ملی اور نہ ہی میری شکل بھائی جی سے ملتی ہے جو وہ پہچان جائے۔ تصاویر کا ویسے بھی مجھے شوق نہیں اور جو میری پرانی تصاویر فیملی البمز میں ہیں وہ سب لاہور میں پڑے ہیں۔ بھائی جی ایک دو دن کے لیے یہاں دورے پر آئے تھے بس اچانک سے شادی کی اور یہیں رہنے لگے۔ وہ اپنے ساتھ یہاں کچھ ایسا نہیں لائے تھے جس میں میری تصویریں ہوں، نہ وہ کبھی پارس کو لاہور لے کر گئے۔ افضل بابا نے خود یہ بات کہی ہے کہ پارس نے رضوان حیات کے بھائی کو کبھی نہیں دیکھا۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔

''ابھی جب میں اس سے ملا تو بھی اس کے چہرے پر شناسائی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ اچھی اداکارہ لگتی ہے۔ بھائی جی کا ذکر کیا تو اس کے تاثرات فوراً بدلے اگر وہ مجھے پہچانتی ہوتی تو اس کے تاثرات

زیادہ تیزی سے بدلنے چاہیے تھے۔'' وہ پُرسکون تھا مگر تنویر صاحب کی فکرمندی ابھی کم نہیں ہوئی تھی۔

''اور اگر وہ تمہیں پہچان گئی تو؟''

''قتل اس نے کیا ہے، ڈرنا اسے چاہیے۔ میں کس بات سے ڈروں؟'' تنویر صاحب لاجواب ہو گئے۔

''فیضی..... نہیں فائز..... تم جذباتی تو ہو مگر اس کے باوجود تم نے کبھی کوئی احمقانہ حرکت نہیں کی۔ میں تمہیں عرصے سے جانتا ہوں اس لیے میری تم سے بس ایک درخواست ہے کہ پلیز جو بھی کرنا، سوچ سمجھ کر کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ واقعی یہ ایک حادثہ ہو۔''

''وہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔'' وہ پُرعزم و ٹھوس انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ تنویر صاحب کی فکر ابھی تک کم نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

ہوٹل کے عقبی حصے پر شام ڈھل رہی تھی۔ سرسبز پہاڑیاں، گہری کھائی، ویران مگر خوب صورت علاقہ..... وہ ہر شے سے بے نیاز صبح کے انداز میں چلتی ہوئی گیٹ سے باہر نکلی۔ بس فرق یہ تھا کہ صبح گلاسز آنکھوں پر تھے تو اب گریبان پہ اٹکے تھے۔

ڈرائیور نے اسے دیکھتے ہی کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔ وہ چند قدم آگے آئی پھر رک گئی۔ اس کی کار سے ذرا دور ایک چھوٹی، پرانے ماڈل کی کار کا بونٹ کھولے صبح والا امیدوار پریشان سا کھڑا تھا۔ کبھی کبھار کوئی تار چھیڑتا پھر فکرمندی سے سیدھا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا۔

پارس نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا پھر اپنے منتظر کھڑے ڈرائیور کو..... ذرا سا متذبذب اس کی خوب صورت آنکھوں میں ابھرا پھر وہ آگے آئی، کار میں بیٹھی۔ ڈرائیور نے دروازہ بند کیا تو اس نے اسے روکا۔

''فرید خان!'' ساتھ ہی اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا۔

''جی میڈم۔'' وہ مؤدب سا پلٹا۔

''وہ پیچھے جو صاحب کھڑے ہیں ان سے پوچھو کہ کیا مسئلہ ہوا ہے ان کی کار کے ساتھ اور دیکھو اگر تم ان کی مدد کر سکتے ہو تو میں انتظار کر لوں گی۔''

''جی میڈم۔'' وہ فوراً فائز کی طرف گیا۔ پارس نے گردن نہیں موڑی۔ محض ڈرائیونگ سیٹ کے ڈور

قارئین متوجہ ہوں

پرچا نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ بک اسٹال کا نام جہاں پر چا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل فون نمبر

رابطے اور مزید معلومات کے لیے
ثمر عباس
03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
63-C فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی میں کورنگی روڈ کراچی

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبرز پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں
35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پر لگے بیک ویو مرر میں دیکھا۔

ڈرائیور فرید خان اب فائز حسن کے پاس کھڑا کچھ کہہ رہا تھا۔ دونوں میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا۔ فائز نے اس کی کسی بات پر چونک کر کار کی طرف دیکھا۔ چہرے پر شرمندگی اتری وہ تیزی سے اس طرف آیا۔

''سوری میڈم، آپ کو میری وجہ سے زحمت کرنی پڑی۔'' وہ تشکر و احسان مندی سے کار سے ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے کہنے لگا۔ پارس کے تاثرات ویسے ہی سنجیدہ رہے۔

''کیا آپ کی کار خراب ہے؟''

''جی، پتا نہیں ایک دم سے کیا ہوگیا ہے۔ پرانی چیز کے تو ویسے بھی سو مسائل ہوتے ہیں۔''

''یہاں قریب میں کوئی ورکشاپ نہیں ہے، آپ کو مین سٹی جانا پڑے گا۔ آپ کار اِدھر لاک کردیں۔ فرید خان آپ کو شہر لے جائے گا۔'' فائز کے چہرے پر مزید شرمندگی ابھری۔

''میم..... آپ..... تھینک یو سو مچ مگر ابھی تو ڈرائیور کو آپ کو چھوڑنا ہوگا، میں کوئی دوسری کنوینس دیکھ لیتا ہوں۔''

''یہاں آپ کو پبلک ٹرانسپورٹ نہیں ملے گی۔ آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ آجائیں۔ مجھے گھر ڈراپ کر کے فرید خان آپ کو لے جائے گا۔'' اس کا انداز بے تاثر تھا جیسے یہ آفر کا آخری حصہ ہو۔ اگر اب وہ انکار کرے گا تو وہ جیسے آپ کی مرضی کہہ کر آگے بڑھ جائے گی۔

''بہت شکریہ میم، میں کار لاک کر کے آتا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ فرید خان کے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اور پارس پچھلی سیٹ پر براجمان باہر دیکھ رہی تھی۔ کار خاموشی سے اونچے نیچے رستوں پر محوِ سفر تھی۔

فرنٹ سیٹ پر بیٹھا فائز وقفے وقفے سے ایک نظر بیک ویو مرر پر ڈالتا جو یوں سیٹ تھا کہ پارس کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔ وہ رخ ذرا موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ کہیں بہت دور ہو۔ ایک سڑک پر آگے مڑ کر فرید خان نے گاڑی آہستہ کردی۔

''میڈم، اندر لے جاؤں گھر تک یا آپ یہیں اتریں گی؟'' فائز نے بے اختیار ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔

طویل سڑک جو اونچی ہوتی جارہی تھی کے اختتام پر اونچائی پر بنا ایک خوب صورت مخروطی چھتوں والا بنگلا تھا۔ جہاں کار رکی تھی۔ وہاں سے بنگلے تک کافی فاصلہ تھا۔

پارس بِنا کچھ کہے دروازہ کھول کر اتر گئی اور بنگلے کی طرف چلنے لگی۔ فائز نے بظاہر گھبرا کر فرید خان کو دیکھا۔

''آپ انہیں گھر تک چھوڑ آتے مجھے کوئی جلدی نہیں تھی، میری وجہ سے.....''

''میڈم ہمیشہ یہیں اترتی ہیں۔''

''مگر کیوں؟'' وہ حقیقتاً چونکا۔ فرید خان نے جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے بلند ہوتی سڑک کو دیکھتا رہا۔ جہاں پارس قدم قدم اوپر چڑھ رہی تھی۔ جب تک وہ بحفاظت گھر نہیں پہنچی فرید خان وہاں سے ہٹا نہیں تھا جب وہ اندر چلی جاتی تب وہ گاڑی گھر تک لے آتا۔

فائز کی نگاہیں بھی وہیں جمی تھیں۔ پارس کے اٹھتے قدم ویسے نہیں تھے جیسے ہوٹل میں داخل ہوتے یا نکلتے وقت تھے۔ اس کی چال آہستہ تھی۔ شکست خوردہ کسی اور سوچ میں گم، دنیا سے دور..... وہ دھیرے دھیرے چلتی اب آدھا راستہ عبور کرچکی تھی۔ کار میں بیٹھے دونوں افراد کی نگاہیں لمحے بھر کو بھی اس سے نہیں ہٹی تھیں۔ ایک کی فرض شناسی اور وفاداری سے لبریز تھیں تو دوسرے کی گہری سوچ اور مستقبل کی منصوبہ بندی سے۔

ہائیکو

رُت پلٹتی نہیں، وقت رکتا نہیں
زور اپنا مقدر پہ چلتا نہیں
جینے والوں کو اب کوئی روتا نہیں

مرسلہ: نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدر مرجان

دفعتاً پارس رکی، سڑک کے درمیان میں کھڑی اس کی ان کی جانب پشت تھی۔ اس کے بائیں ہاتھ گہری کھائی اور دائیں ہاتھ پہاڑ تھا۔ وہ آگے جانے کے بجائے دائیں طرف کو آئی۔ وہاں پہاڑ کو کاٹ کر بنائی گئی سیڑھیاں تھیں جو اوپر کسی پارک تک جاتی تھیں۔ سیڑھیوں کے دونوں طرف تا سڑک، پہاڑ سے چپکا جنگلا لگا تھا جس کا واحد مقصد اس جگہ کی تخصیص تھا۔

پارس سیڑھیوں کے قدموں میں رکی اور گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اس کا نیم رخ مزید واضح ہوا۔ گردن اونچی کرنے سے کان سے بال پیچھے کو گرے، سلور بالی چمکی پھر وہ مڑی اور جنگلے کو دیکھا جہاں تک جنگلا تھا وہاں تک نگاہ دوڑائی۔ نگاہ تھک گئی تو وہ گھر کی سمت مڑ گئی۔ ان کی طرف پشت کیے وہ اب دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی آگے جارہی تھی۔

''یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارے صاحب کا انتقال ہوا تھا۔'' ڈرائیور نے سادگی سے بتایا۔ فائز کو جھٹکا لگا۔ اس نے بے یقینی سے ڈرائیور کو دیکھا۔

''وہ سیڑھیاں، یہ سیڑھیاں تھیں؟ میں سمجھا تھا کہ وہ گھر کے اندر کی سیڑھیاں ہوں گی۔'' وہ لمحے بھر کو غائب دماغ ہوا۔

''وہ یہی جگہ تھی۔ یہیں گرے تھے صاحب۔'' ساتھ ہی ڈرائیور نے مغموم انداز میں سر جھٹکا۔ پارس گھر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ فرید خان نے کار اسٹارٹ کردی۔ فائز ابھی تک گہری نگاہوں سے پارس کا تعاقب کررہا تھا۔

☆☆☆

پارس نے چھوٹا سا لکڑی کے جنگلے کا سفید گیٹ عبور کیا۔ اس کے قدموں میں تھکاوٹ تھی، چہرے پر بھی تھکان تھی۔ گیٹ بند کرتے ہوئے وہ پلٹی تو دور جاتی گاڑی اب موڑ کاٹ رہی تھی۔ پارس نے اب بھی گاڑی کے بجائے ان سیڑھیوں کو دیکھا۔ آنکھوں میں چھائی اداسی گہری ہوگئی۔

وہ پلٹ کر آئی ڈھلان پر بنے لان کے زینے چڑھنے گی۔ آدھی سیڑھیوں کے درمیان وہ رکی اور جیسے غائب دماغی سے وسطی زینے کو دیکھا۔

اس وقت شام کا نیلگوں پن گہرا ہورہا تھا۔ ایسے میں اچانک کہیں سے سیڑھیوں پر ڈھیر ساری روشنی اتر آئی۔ لمحے بھر کو وہ سیڑھیاں ایک کچے پکے مکان کے صحن کے ساتھ بنے زینے میں ڈھل گئیں۔

صحن میں چند عورتیں جمع تھیں۔ سفید چادر پر دائرے میں بیٹھی گٹھلیاں پڑھتی عورتیں..... ان سب سے الگ تھلگ زینے کے وسط میں ایک بارہ تیرہ برس کی لڑکی بیٹھی تھی۔ لمبے بال، سانولا رنگ، بڑی بڑی پُرکشش آنکھیں جن میں خوف و یاسیت اتری تھی۔ وہ گھٹنے سینے سے لگائے ہراساں سی بیٹھی تھی۔ گھٹنوں اور سینے کے درمیان ایک مردانہ گرم ٹوپی بھی جکڑ رکھی تھی۔

دفعتاً نیچے عورتوں کے درمیان سے ایک عورت اٹھ کر اوپر آتی دکھائی دی۔ اس کا رنگ سانولا، کانوں میں سونے کی بالیاں اور آنکھوں میں کرختگی و شاطرپن تھا۔ وہ اوپر وسطی زینے پر آرکی۔

''پارو، اِدھر کیوں بیٹھی ہے؟'' اس کے انداز میں نرمی و ہمدردی نہیں تھی، سختی یا کرختگی بھی نہ تھی بس مشینی سا انداز تھا۔ لڑکی نے آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں ویرانی تھی۔

''امی..... ابا واقعی چلا گیا؟'' ساتھ میں سیاہ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنکھوں کے کٹورے لبالب بھر گئے۔

''لے کتنی دفعہ بتاؤں، مرگیا ہے تیرا ابا۔'' آواز میں جذبہ ابھرا۔ غصہ، طیش مگر آواز ہلکی رکھی۔ ''چھوڑ گیا ہے وہ ہم سب کو اور یہ کیوں تو اس کی ٹوپی پکڑے بیٹھی ہے؟ اِدھر دے۔'' عورت نے لڑکی کے گھٹنے میں دبی ٹوپی کھینچی، وہ کراہ کر رہ گئی۔

''کس کام کی ہے یہ ٹوپی۔ ردّی والے کو بیچو تو دو آنے بھی نہ ملیں..... مگر تیرا بھی کیا قصور پارو۔ ابے نے کون سا پیچھے خزانے چھوڑے ہیں جن کو دل سے لگا کر بیٹھے..... ہک ہا!'' وہ سر ہلاتی نیچے واپس جانے لگی پھر کسی خیال کے تحت واپس مڑی۔

''اور ہاں کل سے اسکول ضرور جائیو، پڑھ لکھ کر اب تو نے ہی یہ گھر چلانا ہے پارو۔ بھائی تیرا چھوٹا ہے، آگے اسے بھی پڑھانا ہے میری ہڈیوں میں اب زور نہیں رہا اور.....'' اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''اب تو وہ عدت بھی پوری کرنی ہے۔ موئے مولوی بھی معافی نہیں دیتے۔ ایسا کر، کل اسکول کے بعد تو لفافے بنانے فیکٹری جانا، یہ ساتھ والی صفیہ بھی جاتی ہے اسی کے ساتھ چلی جانا۔ اب تو نے ہی کرنا ہے جو بھی کرنا ہے پارو۔'' ایک دم کسی بچے کے زور زور سے بولنے کی آواز آئی۔ ہراساں بیٹھی لڑکی نے بے اختیار بیرونی دروازے کی سمت دیکھا۔

''امی شکیل پھر کسی سے لڑ رہا ہے۔''

''چپ کر، تیرا بھائی نہیں لڑتا وڑتا۔ یہ سارے محلے کے مرن جوگے بچے اسے تنگ کرتے ہیں۔ ٹھہر ذرا، میں ان کی خبر لیتی ہوں۔'' وہ جارحانہ انداز میں باہر کو لپکی۔

''بی بی، آپ آگئیں کھانا لگواؤں؟'' افضل بابا سیڑھیوں کے اوپر کھڑے اسے پکار بیٹھے تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی۔ ایک نظر پھر زینے کو دیکھا اور سر جھٹک کر اوپر چڑھنے لگی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے بعد میں کھالوں گی۔''

سنجیدگی مگر نرمی سے کہتی وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ بوڑھا بابا سر ہلاتا ہوا برآمدے کی دوسری سمت چلا گیا۔

پارس نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ بڑے صوفے پر پیر اوپر کر کے بیٹھی عورت کا چہرہ اس کی یادداشت کے چہرے جیسا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ اب اس کے سامنے کے بال سفید تھے، دوپٹا سر پر لے کر کانوں کے پیچھے اُڑس رکھا تھا۔ کانوں میں اب ہلکی بالیوں کی جگہ سونے کے بڑے، بڑے جھمکے تھے۔ ملازمہ پلیٹ میں روسٹ کا پیس لیے جھکی کھڑی تھی اور وہ عورت (فیروزہ مائی) نخوت سے بوٹی توڑ کر دیکھ رہی تھی۔

''ابھی پورا نہیں گلا، اندر گلابی پن ہے۔ بہت ہی ہڈحرام ہوگئی ہو تم۔ ٹھیک سے پکایا کرو، اب جاؤ اور باقی پیس ابھی تیل سے نہ نکالنا۔''

''جی میڈم۔'' ملازمہ سیدھی ہوئی اور جانے کے لیے مڑی۔

''یہ تو اِدھر دو۔'' فیروز مائی نے پلیٹ اسی نخوت سے اس کے ہاتھ سے لی۔ ملازمہ گڑبڑا کر پلیٹ اسے تھما کر کچن کی سمت بھاگی۔ فیروزہ مائی نے کرسپی چکن روسٹ کی ران کا پیس اٹھایا اور دانتوں سے کاٹا۔

پارس دروازے میں کھڑی تھی۔ فیروزہ مائی نے ابھی اس کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ ویسے بھی اندھیرے میں تھی۔ ماں روشنی میں بیٹھی تھی پھر بھی اس کی نگاہوں کے سامنے والا منظر اندھیرے میں ڈوب گیا۔

ایک نیم تاریک کمرا، چھت سے لٹکتا زرد بلب، چارپائی پر بیٹھی سیاہ بالوں اور مرجھائی آنکھوں والی لڑکی جس کی نگاہیں ساتھ بیٹھے اپنے سے چار پانچ سال بڑے بھائی کی پلیٹ پر تھیں جس میں سالن کے اوپر ران والی ایک بوٹی اور ایک پتلے کی بوٹی رکھی تھی پھر اس نے اپنی پلیٹ کو دیکھا۔ اس میں

گردن والی بوٹی تھی۔

''امی!'' اس نے منمناتی آواز سے دونوں کے مقابل بیٹھی ماں کو پکارا جو دونوں کی پلیٹ میں سالن ڈالنے کے بعد اب اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔ ایک بڑی بوٹی کے ساتھ شوربا۔

''ہاں بول۔'' اس نے ڈونگا ڈھک کر اپنے پیچھے رکھ دیا۔ لڑکا اب دلجمعی سے بڑے بڑے لقمے لیتا کھا رہا تھا۔

''مجھے بھی ٹانگ والی بوٹی دو۔''

''چپ کر پارو۔ آدھا کلو مرغی بنائی ہے۔ ایک ہی ران تھی جو بھائی کے لیے تھی اب کیا اپنی ران کاٹ دوں؟'' وہ بگڑی۔ پارس نے سوگواری سے اپنی پلیٹ پر دوبارہ نظر کی۔

''امی مجھے گردن نہیں کھانی، دوسری بوٹی دے دوناں!''

''وہ شام کے لیے رکھا ہے، اب یہی کھا۔ زیادہ کھائے گی تو سست پڑ جائے گی پھر کام پر کون جائے گا؟'' لڑکی سر جھکائے لقمہ توڑنے لگی۔

''دیکھ رہی ہو اماں، پارو جب سے سلائی سینٹر کام پر جانے لگی ہے، بہت بولنے لگی ہے اور اب میری بوٹیاں بھی گنتی ہے۔'' لڑکا چمک کر بولا۔ پارس نے سر اٹھا کر خفگی سے اسے دیکھا۔

''زیادہ آنکھیں نہ دکھا بھائی کو اور چپ کر کے کھا۔ چل کھا میرا بچہ۔'' دونوں کو مختلف لہجوں میں مخاطب کرتی وہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

''ارے پارو، تم کب آئیں؟'' خوشگوار حیرت میں ڈوبی آواز پر پارس چونکی۔ فیروزہ مائی، فیروزہ بیگم بننے کی کوشش میں تُو کے بجائے تم اور آپ کا استعمال سیکھ گئی تھی۔

''ابھی۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''تم فریش ہوکر آجاؤ، میں کھانا لگواتی ہوں۔ روسٹ بنوایا ہے آج۔ تمہیں پسند ہے ناں۔'' وہ مسکراتے ہوئے پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ پارس نے مڑ کر اسے دیکھا چند لمحے دیکھتی رہی۔

''نہیں، مجھے نہیں پسند، آپ کھائیے۔'' ہموار، بے تاثر لہجے میں کہہ کر اس نے پہلے زینے پر قدم رکھا۔

''اے سنو پارس۔'' فیروزہ مائی اٹھ کر اس کے قریب آئی۔ ''ایک بات کرنی تھی تم سے۔'' انداز میں لجاجت و خوشامد تھی۔ پارس نے تکان سے اسے دیکھا۔

''بولو امی۔''

''وہ شکیل کا فون آیا تھا، آج کل کاروبار مندا جا رہا ہے اس کا۔ اُدھر دبئی میں حالات اچھے نہیں ہیں۔''

''کتنے پیسے مانگے ہیں اس دفعہ؟'' وہ ماں کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جذبات سے عاری انداز میں بولی۔

''وہ..... زیادہ نہیں بس یہی د..... دس پندرہ لاکھ تو لگ جائیں گے۔ وہ تو منع کر رہا تھا مگر میں نے کہا آخر بہن ہے اربوں کے ہوٹل کی مالک، اس کے لیے کیا مشکل۔'' وہ رکی اور امید افزا نگاہوں سے پارس کے چہرے کو دیکھا۔ ''پھر میں اسے بتادوں کہ تم پیسے بھیج دو گی؟''

وہ خاموش رہی، بالکل خاموش پھر ایک دم پلٹ کر اوپر زینے پر چڑھنے لگی۔

فیروزہ نے حیرت و الجھن سے اسے اوپر جاتے دیکھا، وہ زینے چڑھتی بِنا رکے اوپر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

اندر آکر اس نے دروازہ ذرا زور سے بند کیا..... پھر شال اور پرس صوفے پر ڈالے، گلاسز اتار کر سنگار میز پر رکھے اور آئینے میں دیکھا۔

بیضوی مرر میں اس کا عکس ہلکی زرد روشنی سے جھلملا رہا تھا یا شاید اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔

ایک آنسو ٹوٹا اور گال پر لڑھکتا فرش پر جا گرا۔

''آئینہ بھی کیا عجیب شے ہے، ہر چیز دکھا دیتا ہے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کچھ نہیں چھپاتا..... مگر پھر بھی ایک غلطی یہ کر جاتا ہے۔"

ایک تلخ مسکراہٹ پھیکے چہرے پر بکھری۔

"دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں دکھاتا ہے۔ یہ کیسی شفافیت ہوئی کہ اپنا عکس ہی الٹا نظر آئے۔ یہاں کوئی سچا نہیں ہے آئینہ تک دھوکا دے جاتا ہے۔" اس نے بے دلی سے کہتے ہوئے آنسو رگڑے۔ پھر نم ہتھیلی پھیلا کر دیکھی۔ سانولی لکیروں کے درمیان تصویریں سی بننے لگیں۔ فلم در فلم چہرہ در چہرہ.....

کرخت چہرے اور سونے کی بالیوں والی عورت نوٹ گن رہی تھی۔ سامنے وہ پندرہ سولہ برس کی لڑکی.. سر پہ دوپٹا لیے کھڑی مضطرب انداز میں انگلیاں چٹخاتے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بس؟ یہ تو ہوئے فیکٹری کے پیسے اور سلائی والے کدھر گئے؟" اس نے تیز نظروں سے لڑکی کو گھورا۔

"وہ..... وہ تھوڑے سے تھے، کرایے کے لیے رکھ لیے۔"

"کرایہ؟ کس کا کرایہ؟" لڑکی نے نظریں جھکا دیں۔

"سلائی سینٹر دور پڑتا ہے امی، میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ آئندہ حمیدہ خالہ کے ساتھ بس سے جاؤں گی۔"

"بہت پر پرزے نکل رہے ہیں تیرے پارس، میں دیکھ رہی ہوں اچھی طرح۔ انسان بن جا، کوئی ضرورت نہیں ہے بس کی عیاشیوں کی..... چار قدم اوپر چل لے گی تو کون سی قیامت آجائے گی؟" وہ پھٹ پڑی، لڑکی سہم کر پیچھے ہوئی۔

"چل نکال سلائی سینٹر والے پیسے اور آئندہ یہ ڈرامے میرے ساتھ نہ کرنا۔ چوٹی سے پکڑ کر گھر سے نکال دوں گی، سمجھی۔" لڑکی نے جلدی سے بٹوے سے مڑے تڑے چند نوٹ نکالے، عورت نے انہیں جھپٹ لیا۔

"میں نے تیرے باپ سے شادی کرتے وقت سوچا تھا، وہ میرے پہلے شوہر کا بچہ پال لے گا اور میں اس بن ماں کی بچی کو پال دوں گی تو احسان مانے گی مگر نہیں، تو..... تو بہت فراڈ نکلی پارو..... بالکل تیری ماں بھی ایسی تھی۔" وہ بکتی جھکتی، پیسے گنتی پلٹ گئی۔ لڑکی نے بھیگی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ گھر کی چوکھٹ پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ دفعتاً شکیل باہر سے آتا دکھائی دیا۔

"اماں، پیسے دے جلدی، ورنہ رمضان چاچا دکان بند کر جائے گا اور صبح تک کہیں وہ اوپر پیسے نہ مانگ لے۔"

"ہاں یہ لے، جا جلدی سے سائیکل لے آ....." فیروزہ مائی کا لہجہ نرم ہوگیا۔ بیٹے کو پیار کیا، نوٹ تھمائے اور پھر ہمدردی سے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"اب اسکول جا کر اچھا سا پڑھنا، بے چارہ بچہ اسکول جانا بھی مشکل بنا ہوا تھا۔" اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی وہ کہہ رہی تھی۔ وہ بے نیازی سے انگلی پر تھوک لگاتا، نوٹ گن رہا تھا۔

لہجے بھی موسموں کی طرح ہوتے ہیں۔ وقت اور جگہ دیکھ کر بدل جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ایک ہی وقت، ایک ہی جگہ پہ بھی وہ متضاد کیفیات میں سامنے آتے ہیں۔ جیسے ایک ساتھ دھوپ اور چھایا ہو۔ جیسے سمندر کے کڑوے اور میٹھے پانی کے درمیان ان دیکھی آڑ ہو۔ اور پھر کڑوا تو کبھی میٹھے سے مل ہی نہیں سکتا ناں!

باورچی خانے سے دیکھتی لڑکی نے سر جھکا کر اپنی پھٹی ایڑھیوں کو دیکھا۔ منظر بھیگتا چلا گیا۔ جیسے بن موسم کی بارش.....

بیڈروم کا دروازہ ہلکا سا کھٹکا اور پھر چرچراہٹ سے کھلا۔ سنگار میز کے سامنے کھڑی پارس چونک کر پلٹی۔ فیروزہ مائی دروازے میں کھڑی تھی۔ اسے خود کو دیکھتا پا کر جلدی سے مسکرائی۔

"بات کرنی تھی تم سے۔" وہ تمہید باندھتی آگے بڑھی۔ پارس اسی طرح سیدھی کھڑی رہی۔ اس کی فیروزہ پہ جمی آنکھوں میں سنجیدگی اور سرد مہری تھی۔

"وہ..... تم شکیل کو پیسے کب بھجواؤ گی؟" وہ ذرا ہچکچا کر بولی تھی۔

پارس گہری سانس لے کر آئینے کی طرف پلٹی، برش اٹھایا اور اوپر سے نیچے بالوں میں پھیرنے لگی۔

"تم..... پھر کب تک بھیجو گی پیسے؟ اصل میں شکیل کو ضرورت ہے، کہہ رہا تھا ہو سکے تو کل ہی بھجوا دیں، تم یوں کرنا، کل دفتر جانا تو....."

"کیا میں نے کہا کہ میں شکیل کو پیسے بھیج رہی ہوں؟" وہ آئینے میں فیروزہ کا عکس دیکھتی، برش اوپر سے نیچے لے جاتے ہوئے پُرسکون انداز میں بولی۔ فیروزہ نے الجھن سے لبوں پر زبان پھیری۔

"وہ تو تم بھیج ہی دو گی۔"

"سوری، میں نہیں بھیج سکتی۔" وہ اب اپنے عکس پہ نگاہیں جمائے سامنے کے بال سیدھے کر رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ بھائی ہے تمہارا، پیسے نہیں بھیجو گی تو وہ کیا کرے گا؟"

"بینک لوٹے یا بھیک مانگے، مجھے فرق نہیں پڑتا۔" اس کی بات پر فیروزہ کے ماتھے پر بل پڑے۔

"ساری زندگی دیتی آئی ہو، اب کیوں نہیں دو گی؟"

"ساری زندگی دیتی آئی ہوں، اب نہیں دوں گی۔"

"آج کون سی انوکھی بات ہوگئی ہے؟" فیروزہ مائی کی آواز اشتعال سے بلند ہونے لگی۔ برش چلاتا پارس کا ہاتھ رکا، اس کی ساعت میں ایک آواز گونجی۔

"امی اور بہنیں مجھ سے دور نہیں رہنا چاہتی تھیں، ان کا کہنا تھا کہ بھلے کوئی کم آمدنی والی جاب ہی کر لوں مگر یہیں کروں۔" اس نے سر جھٹکا۔

"شکیل کو کہیں، میرے پاس اس کے لیے پیسے نہیں ہیں، بات ختم۔"

"کیسے بات ختم؟" وہ تلملا کر بولی۔ "اربوں روپے کا ہوٹل ہے تمہارے پاس جس کے ایک کمرے کا ایک دن کا کرایہ پچیس تیس ہزار سے کم نہیں اور بھائی کے لیے دس پندرہ لاکھ نہیں ہیں تمہارے پاس؟"

"دس پندرہ ہزار بھی نہیں ہیں، بتا دینا اسے۔" وہ ہیئر برش رکھ کر دراز کھولے کچھ ڈھونڈنے لگی تھی۔

"کیسے نہیں ہیں؟ اس بڈھے کی ساری دولت پر سانپ بن کر بیٹھ گئی ہو، شادی کے دو ماہ بعد ہی اس کو مار کر سب ہتھیا کر اب تم....." الفاظ ابھی فیروزہ مائی کے لبوں میں ہی تھے کہ پارس کرنٹ کھا کر اس تک لپکی۔ فیروزہ کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر دیوار سے لگایا اور چہرہ اس کے بہت قریب کیے، شعلہ بار آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آج تو یہ بات منہ سے نکال دی ہے، آئندہ کہا تو دو منٹ میں....." اس نے چٹکی بجائی۔ "دو منٹ میں تمہارا سامان لپیٹ کر اس گھر سے نکال دوں گی۔ سمجھ میں آئی میری بات یا نہیں؟" چبا چبا کر سنگین لہجے میں اس نے الفاظ ادا کیے۔

دیوار سے لگی فیروزہ مائی کی آنکھوں میں ڈھیروں خوف و ہراس اتر آیا تھا۔ بہ مشکل اس کے لبوں سے کپکپاتی آواز نکلی۔

"پارس، کیا ہوگیا..... میں..... ماں ہوں تمہاری۔"

"سوتیلی ماں ہو، جسے میں نے صرف اس لیے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے کہ میرے باپ کی بیوی ہو، رہا تمہارا بیٹا تو وہ میرے باپ کا بیٹا نہیں ہے اس لیے اسے میرا بھائی مت کہنا اور اگر آئندہ تم نے رضوان کی موت کا الزام مجھ پر لگانے کی کوشش کی تو تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں تمہارے ساتھ۔" ایک جھٹکے سے وہ فیروزہ کے کندھے چھوڑ کر پیچھے ہٹی۔ اس کی آنکھیں دہک رہی تھیں۔ فیروزہ فق چہرہ لیے تیزی سے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمرے سے باہر نکل گئی۔

پارس دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں سہلاتی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ آئینے سے جھلکتے عکس میں اس کی بالیاں ابھی تک چمکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

☆☆☆

آفس میں معمول کی چہل پہل تھی، شیشے کی کھڑکیوں سے جھانکتی صبح، کافی کے کپوں کی اُڑتی بھاپ، مصروف فون کالز.....

فائز نے ہولے سے دروازہ کھٹکھٹایا، کام کرتی پارس نے گردن اٹھائی، اسے دیکھ کر سر کے اثبات سے آنے کا اشارہ کیا، وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے آبیٹھا۔

''جی فائز صاحب؟'' وہ اپنی پاور سیٹ پہ اب ٹیک لگا کر پیچھے ہوئے سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''میم مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ اس دن آپ نے مجھے لفٹ دی اور پھر تین دن کے کڑے انتظار کے بعد اپائمنٹ لیٹر کا ملنا، میں اپنی خوشی بیان نہیں کرسکتا۔'' وہ بظاہر بہت احسان مندی سے کہہ رہا تھا البتہ اس کی گہری آنکھیں کچھ اور کہتی تھیں۔

''یو آر ویلکم.....!'' پارس نے اسی سنجیدگی سے فائل اسٹینڈ سے ایک فائل اٹھائی، اسے کھولا، چند صفحے پلٹائے اور پھر ایک جگہ رکی۔

''فائز صاحب! آپ نے اپنے سی وی میں تجربے کے خانے میں ایک سال کے لیے ہمارے ہوٹل کی لاہور والی شاخ میں کام کرنے کا بھی لکھا ہے۔''

''جی میم.....! رضوان صاحب کی ڈ-تھ سے دو تین ماہ قبل ہی میں نے وہاں سے ریزائن کیا تھا۔''

''اور آپ نے وہاں پر پورا سال کام کیا تھا؟'' پارس پُرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جی میم، اسی لیے میں آپ سے رضوان صاحب کی تعزیت کررہا تھا، میں ان سے مل چکا ہوں، بہت مہربان آدمی تھے وہ۔''

دونوں کی نگاہیں بے اختیار کونے میں رکھے فوٹو فریم کی طرف اٹھیں، پارس اسے دیکھتے ہوئے لمحے بھر کو کہیں اور کھوئی..... فائز اپنے تمام تر کنٹرول کے باوجود اس تصویر کے ساتھ بہت پیچھے چلا گیا.....

جب وہ چھوٹا تھا..... ایک ٹین ایج لڑکا.....

وہ ٹین ایج لڑکا صوفے پر بیٹھا، فکرمندی سے اپنے سامنے ٹہلتی سویرا آپا کو دیکھ رہا تھا۔

''اوہو آپا، کیا ہوگیا ہے؟'' آپا رکیں، خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا اور جیسے پھٹ پڑیں۔

''کیا ہوگیا ہے؟ دیکھا نہیں تم نے، وہ لڑکی ندا کیسے بے وقوف بنا رہی ہے ہمارے سادہ سے بھائی جی کو؟'' وہ مضطرب انداز میں پھر کمرے کے چکر لگانے لگیں۔ فربہی مائل جسم اور چھوٹی آنکھوں والی سویرا آپا بے حد بے چین نظر آرہی تھیں۔

''خود ہی تو آپ نے ان کی منگنی کروائی تھی۔''

''میں نے نہیں کروائی تھی۔'' وہ ایک دم چمک کر بولیں۔ ''بھائی جی نے کہا، دوست کی بہن ہے، پسند ہے انہیں.. سو میں رشتہ لے گئی کہ اب نہیں شادی کریں گے تو کب کریں گے، آخر بہن ہوں، مجھے ہی سوچنا ہوگا اور وہ نیچ لوگ بھی جیسے تیار بیٹھے تھے، اِدھر رشتہ دیا اُدھر ہاں کردی..... اور وہ ندا..... سوائے خوب صورتی اور چند ڈگریوں کے اور کیا قابلیت ہے اس میں؟ مگر میں نے کہا، بھائی جی خوش تو ہم خوش..... مگر مجھے کیا پتا تھا کہ وہ دولت کے لالچی لوگ ایسے کام کرنے لگیں گے۔'' پھولے تنفس کے ساتھ جوشِ جذبات میں بولتی، وہ سامنے صوفے پر آبیٹھیں۔ ٹین ایج لڑکا بہت دھیان سے ساری بات سن رہا تھا۔

''اب تم بتاؤ فیضی، بھائی جی کے ساتھ پوری دنیا میں ہم سے زیادہ مخلص کون ہوسکتا ہے؟ اماں، ابا رہے نہیں ہمارے، بھائی جی ہی ہمارا سب کچھ ہیں،

ایک چھوٹے ڈھابے سے شروع کیا جانے والا کاروبار آج میری دعاؤں کے سبب ہوٹلز کی ایک چین میں بدل چکا ہے، اب تم بتاؤ، ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم بھائی جی کا اچھا سوچیں؟''

''بالکل آپا!'' لڑکے نے سر ہلایا۔ سویرا آپا جوش سے کہتی آگے ہو بیٹھیں۔

''اب خود دیکھو، کل ندا کی سالگرہ پہ بھائی جی نے اسے ہیرے کی انگوٹھی گفٹ کی، ہیرے کی انگوٹھی فیضی..... اب یہ مت کہنا کہ مجھے بھی دی ہے کئی بار۔ بھئی میں تو بہن ہوں مگر وہ پرائی لڑکی، کبھی اس کا بھائی ٹاپ کرتا ہے تو اسے تحفے ملتے ہیں، کبھی بہن کے بچوں کے لیے خریداری کی جارہی ہوتی ہے۔ بھائی جی تو ٹھہرے معصوم اور سادہ، ہم تو اندھے نہیں ہیں، وہ اسی طرح دونوں ہاتھوں سے ان کو لوٹتی رہی تو بھائی جی کنگال ہوجائیں گے پھر امجد (سویرا کا شوہر) کا آسٹریلیا میں بزنس کون سیٹل کروا کردے گا اور تم نے بھی تو امریکا جانا ہے پڑھنے کے لیے کہ نہیں؟''

''جانا ہے..... مگر بھائی جی کے پاس بہت دولت ہے آپا۔''

''اور ہمارا فرض ہے کہ ان کی دولت کو ان مفت خوروں سے بچائیں۔ دیکھو فیضی، وہ تو بھائی جی کو لوٹ کر بھاگ جائے گی، ہرٹ کون ہوگا؟ بھائی جی! ان کا تو دل ٹوٹ جائے گا۔ اب تم بتاؤ اس لالچی لڑکی سے بھائی جی کا پیچھا چھڑانا چاہیے یا نہیں؟''

''چاہیے آپا..... مگر بھائی جی کے پاس بہت دولت ہے، لوگ کہتے ہیں وہ پارس ہیں، جس چیز پہ ہاتھ ڈالیں، اسے سونا بنا دیتے ہیں۔''

''کیا آپ کی ملاقات رہتی تھی رضوان سے؟'' پارس کی آواز نے اسے چونکایا۔ لمحے بھر میں وہ یادوں کی بہتی ندی سے باہر آیا۔

''جی! چند ایک بار شرفِ ملاقات نصیب ہوا تھا۔'' وہ سنبھل کر اداسی سے مسکرایا۔ ''بہت کچھ سیکھنے کو ملا، ان فیکٹ ابھی مجھے یاد آرہا تھا کہ ان کے کام میں اللہ نے بہت برکت رکھی تھی۔ لوگ کہتے تھے، وہ پارس ہیں، ایسا آدمی جس چیز کو چھوئے اسے سونا بنا دیتا ہے۔''

پارس کے لبوں پر ہلکی سی تلخ مسکراہٹ آٹھہری..... یہ پہلی دفعہ تھا کہ جب فائز نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''ہاں، ایسا شخص جس کو چھوئے اسے سونا بنا دے مگر خود ساری زندگی پتھر ہی رہتا ہے۔''

''بجا فرمایا.....'' فائز رسمی انداز میں مسکرایا۔ ایک نظر پھر سے اس مسکراتی تصویر پر ڈالی۔ دفعتاً فون بجا۔ پارس ریسیور اٹھائے دوسری طرف کی بات سننے لگی۔

تصویر کو دیکھتی فائز کی نگاہیں پھر سے بھٹکیں، یادوں کی جھیل میں دائرے بننے لگے۔

ایک چھوٹے مگر نفیس سے ڈرائنگ روم میں وہ گوری، خوب صورت لڑکی ٹرے اٹھائے ایک نوجوان کو جوس سرو کررہی تھی۔ قریبی صوفے پر ایک معمر خاتون بیٹھی، مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

ان سے ذرا دور دروازے کی چوکھٹ پہ وہ ٹین ایج لڑکا اور سویرا آپا چند لمحے دیکھتے رہے۔ سویرا آپا کی آنکھوں میں چمک.. آئی تھی۔ جیسے ہی وہ لڑکی کباب کی پلیٹ اٹھائے نوجوان کے سامنے جھکی، سویرا آپا ایک دم سے اندر داخل ہوئیں۔

''بہت خوب ندا..... یہاں تو خاص الخاص مہمان آئے ہوئے ہیں، اتنے خاص کہ ہماری آمد کی خبر ہی نہیں ہوئی۔'' لڑکی سیدھی ہوتی ہوئی چونکی پھر آپا کو دیکھ کر سادگی سے مسکرائی۔

''آیئے سویرا آپا، آپ کب آئیں؟'' معمر خاتون بھی مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھنے لگیں۔

''جب تم یہاں غیر مردوں کی خاطریں کرنے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں مصروف تھیں۔"

ان کی بلند آواز، عجیب لہجہ، لڑکی کا چہرہ فق ہوا، اس نے پریشانی سے ماں کو دیکھا۔

"نہیں ..... میں تو سرو کر رہی ..... یہ میرے کزن ہیں، ماموں کے ساتھ آئے ہیں، ماموں اوپر ہیں اور....." سویرا آپا کے الفاظ نہیں، ان کی تند و تیز نگاہیں تھیں جو وہ تینوں پر پریشان ہو گئے تھے۔

"بس بس ..... سب دیکھا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے، میرے معصوم بھائی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تم یہاں یہ سب کر رہی ہوں، بدکردار لڑکی۔" ندا کا چہرہ سرخ ہو کر دہکنے لگا۔

"اپنی حد میں رہیں، آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں، مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔"

"بیٹا ..... تم غلط سمجھی ہو یہ تو....." ماں نے مداخلت کی کوشش کی۔

"آپ درمیان میں مت بولیں۔ میں نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے آپ کی بدکردار بیٹی کو۔" ندا کا کزن ہونقوں کی طرح کھڑا سب دیکھ رہا تھا چوکھٹ میں کھڑا ٹین ایج لڑکا بھی خاموش تھا، بالکل خاموش۔

"مجھے نہیں پتا آپ یہ کیوں کر رہی ہیں مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ میرے گھر میں کھڑے ہو کر آپ مجھے یوں بدکردار نہیں کہہ سکتیں۔" ندا حیرت زدہ بھی تھی اور اب اسے غصہ بھی آ رہا تھا۔ "اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ اس طرح اتنی ڈھٹائی سے جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟"

"میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بی بی کہ تم کیا کر رہی تھیں؟" وہ چمک کر بولیں۔

"کیا کر رہی تھی میں؟ جوس دے رہی تھی، کباب دے رہی تھی۔ آپ کیوں اس بات کو غلط رنگ دے رہی ہیں؟"

"یعنی کہ تم مجھے جھوٹا کہہ رہی ہو؟"

"نہیں، نہیں سویرا بیٹا، اس کا یہ مطلب نہیں ..."

"آپ خاموش رہیں امی، یہ خاتون سب کچھ سوچ کر آئی ہیں، انہیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی اور ہاں، میں آپ کو جھوٹا اور الزام تراش کہہ رہی ہوں۔" وہ لڑکی بہت اعتماد اور سختی سے بولی تھی۔

"بس بہت دیکھ، سن لیا ..... میں بھی دیکھتی ہوں اب تم مزید کیسے میرے بھائی کو بے وقوف بناتی ہو۔ چلو فیضی!" وہ دھڑے سے آگے پیچھے باہر نکلے تھے۔

منظر ہوا میں تحلیل ہوا، رنگ بکھرے ..... یادوں کے کینوس پہ ایک اور برش اسٹروکس لگانے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پینٹنگ پھر سے بننے لگی۔

بھائی جی بڑے صوفے پر خاموش، افسردہ سے بیٹھے تھے۔ سامنے وہ لڑکا سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سویرا آپا کرسی پر براجمان مسلسل روئے جا رہی تھیں۔

"دیدہ دلیری دیکھیں ان لوگوں کی۔ ایک تو ہم نے ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا اوپر سے لڑکی نے شور کر کے سارا گھر اکٹھا کر لیا۔ کیسے لوگ ہیں، آنکھیں بند کر کے دوسرے کمروں میں پڑے تھے۔ اوپر سے اتنی بدزبانی کی مجھ سے، الٹا ہم پہ الزام لگانے لگے۔"

ٹین ایج لڑکے کا سر مزید جھک گیا۔ وہ اب اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تو پہلے دن سے ہی ندا کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے تھے لیکن میں چپ رہی، آپ کی خوشی تھی، میں بھی خوش تھی۔ آج بھی زبان نہ کھولتی کہ میں تو دو بار پہلے بھی بازار میں ندا کو اس لڑکے کے ساتھ دیکھ چکی ہوں مگر آج تو فیضی نے بھی دیکھ لیا۔ اب خاموش رہتی تو چھوٹا بھائی مجھے بڑے بھائی کا مجرم قرار دیتا۔ کیوں فیضی؟" لڑکے نے سر اٹھایا، بھائی جی سے نظریں ملائیں۔

"جی بھائی جی ..... آپا درست کہہ رہی ہیں"

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایسا ہی ہوا تھا۔'' بھائی جی کی آنکھوں میں ڈھیروں اداسی تھی۔ ویرانی تھی۔

یادوں کی پینٹنگ چند دن مزید آگے سرکی۔ ایک فون کال ہر جگہ چھانے لگی۔ فیضی کے ہیلو کے جواب میں کہے گئے چند فقرے جو آج بھی اسے سنائی دیتے تھے۔

''ندا بول رہی ہوں، فیضان۔ بہت شکریہ تمہارا اور تمہاری آپا کا۔ آج تمہارے بھائی نے منگنی کا سامان واپس بھجوادیا ہے اور جانتے ہو میں خوش ہوں۔ اس لیے کہ انہوں نے مجھے فون بھی کیا اور پتا ہے کیا کہا؟ انہوں نے کہا، میں جانتا ہوں تمہارا دامن بے داغ ہے مگر اس واقعے کے بعد تم کبھی میرے بہن بھائی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکو گی۔ تمہیں بڑی تکلیف سے بچانے کی خاطر چھوٹی تکلیف دے رہا ہوں۔ تمہیں ہم سے بہتر لوگ مل جائیں گے اور ملنے چاہئیں....'' وہ رو رہی تھی۔

''یاد رکھنا فیضان، تم اور تمہاری بہن دنیا کے سب سے مفاد پرست اور خودغرض بہن بھائی ہو مگر آئے گا ایک دن جب رضوان تم لوگوں کی اصلیت ''مان'' لیں گے کیونکہ ''جانتے'' تو وہ اب بھی ہیں اور دیکھنا تب وہ تمہیں اپنی شادی میں بلانے کی زحمت بھی نہیں کریں گے۔''

''سوری، امپورٹنٹ کال تھی۔'' پارس نے ریسیور رکھتے ہوئے پیشہ ورانہ سی معذرت کی۔ اس کی آواز پہ یادوں کی رہ گزر سے وہ واپس لوٹا اور پھیکا سا مسکرایا۔

بعض یادیں ان نشتروں سے لبریز ہوتی ہیں جو دوسروں نے ہمیں ہرٹ کرنے کے لیے پھینکے ہوتے ہیں اور ہم جانتے ہوتے ہیں کہ ہم ٹھیک تھے، جو ہم نے کیا وہ قطعاً غلط نہ تھا مگر پھر ہر دفعہ وہ نشتر چبھنے پر دل کے اندر چیر دینے والی تکلیف کیوں ابھرتی ہے؟ وہ تکلیف جو کسی ایسے گلٹ سے پیدا ہوتی ہے جس کا نہ انسان اعتراف کرے نہ ہی اسے خبر ہو۔

''تو فائز صاحب، اب آپ نے ہماری لاہور والی شاخ میں اپلائی کیوں نہیں کیا؟''

''رضوان صاحب کے بعد وہ جگہ ویسی فل رہی۔ فیضان صاحب ویسے بھی باہر ہوتے ہیں۔'' بظاہر بے پروائی سے کہتے ہوئے اس نے غور سے پارس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی پیشانی پہ ہلکا سا بل پڑا تھا۔ ''منیجر ہی سب سنبھالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اُدھر اپلائی کیا تھا مگر مجھے جاب نہیں ملی۔''

''اور آپ نے وہ جاب پہلے چھوڑی کیوں تھی؟''

''رضوان صاحب کے بھائی فیضان صاحب کا کوئی سفارشی بھرتی ہونا تھا اس لیے منیجر نے مجھے ڈھکے چھپے لفظوں میں بتادیا تھا کہ میں کوئی اور نوکری تلاش کروں سو میں نے ریزائن کردیا۔''

پارس کے لب بھنچ گئے۔ آنکھوں کی پتلیاں ناگواری سے سکڑ گئیں..... جیسے اسے کچھ بہت ناپسند آیا ہو مگر وہ اظہار نہ کرنا چاہتی ہو۔

''فیضان صاحب ابھی تک امریکا میں ہیں؟'' اپنی ناگواری دبائے وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''دو تین ماہ قبل تک تو باہر ہی تھے، اب کا معلوم نہیں۔''

''آپ کا کوئی رابطہ ہے ان سے؟'' وہ کچھ سوچتے ہوئے مخاطب ہوئی۔ ساتھ ہی وہ اضطرابی انداز میں لاشعوری طور پر اپنی بالی کو چھیڑ رہی تھی۔

''جی میم، ایک کام کے لیے فون کیا تھا انہیں ایک دفعہ، کیا آپ کو ان کا کانٹیکٹ نمبر چاہیے؟'' وہ ذرا سا چونکا۔

''نہیں، مجھے کیوں چاہیے ہوگا۔'' وہ ایک دم اتنی ناگواری سے پہلو بدل کر بولی کہ وہ خاموش ہوگیا۔

پارس کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے انگلی بالی پر پھیرتے کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں کچھ

ایسا چل رہا تھا جس سے ماتھے پر شکنیں اور آنکھوں میں نفرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

''مجھے اجازت ہے، میم؟'' وہ اپنی حیرت چھپاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ پارس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلادیا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک وہی کلفت چھائی تھی۔

☆☆☆

سرسبز پہاڑیوں کے درمیان بل کھاتی سڑک پہ اس کی گاڑی دوڑ رہی تھی۔ باہر کے ٹھنڈے، خوشگوار موسم سے بے نیاز وہ اندر بیٹھا، اسٹیئرنگ وہیل پر ایک ہاتھ رکھے وہ دوسرے ہاتھ سے موبائل پر ایک نمبر ملا رہا تھا۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے فون کان سے لگایا۔

''ہیلو سویرا آپا، کیسی ہیں؟'' کار اس نے آہستہ کردی۔ اب اس کی ساری توجہ کال کی طرف تھی۔

''میں ٹھیک ہوں فیضی، تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟'' وہ اس کے لیے پریشان تھیں۔

''بھائی جی کا حساب ادا کرنے آیا ہوں۔'' اسے لگا وہ اب ڈرائیو نہیں کرسکے گا سو گاڑی سائڈ پر روک دی اور شیشہ نیچے کردیا ایک دم یخ بستہ ہوا اندر گھسی۔ ایک طرف پہاڑ دوسری طرف کھائی۔ مری کا خوب صورت، ٹھنڈا لہلہاتا موسم۔

''پارس نے تمہیں نہیں پہچانا؟'' وہ حیران تھیں۔

''اس نے میری کبھی کوئی تصویر نہیں دیکھی سو کیسے پہچان سکتی تھی!''

''ہاں یہ بھی ہے، بھائی جی نے بھی اسے ہم سے بالکل کاٹ کر رکھا تھا۔'' ان کی آواز میں گلہ در آیا۔ ''خیر، اب تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''پارس کو سزا دوں گا یا دلواؤں گا اور وہ سب جو بھائی جی نے اس کے نام لگوایا ہے، سب واپس لوں گا۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں فیضی مگر ایسا کیسے ممکن ہوسکے گا؟'' وہ فکرمند تھیں۔ اس نے شانے اچکائے۔

''میں آہستہ آہستہ اس کے کاغذات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جلد ہی مجھے کامیابی ملے گی۔ تنویر بھائی میری پوری مدد کریں گے۔'' سڑک پر اس کی کار اکیلی کھڑی تھی۔ دور دور تک ویرانی چھائی تھی۔ یہاں وہ بہت آرام دہ انداز میں بات کر رہا تھا۔

''یہ تنویر پر زیادہ اعتبار نہ کرنا۔ مجھے تو یہ پارس کے ساتھ ملا ہوا لگتا ہے۔'' وہ مشکوک انداز میں بولیں۔

''کیوں؟'' فیضی کے ابرو حیرت سے سکڑے۔

''دیکھو بھائی جی کی موت سے پارس کے بعد سب سے زیادہ فائدہ تنویر صاحب کو ہوا ہے۔ وہ سب سے سینئر عہدیدار تھے۔ بھائی جی کے بعد بہت کچھ ان کے ہاتھ میں آیا ہے۔ کیا انہوں نے فائدے نہیں اٹھائے ہوں گے؟''

''ایک تو آپا، آپ ہر کسی پر شک کرتی ہیں۔'' اسے ان کی بات ناگوار گزری تھی۔ ''وہ ایسے نہیں ہیں، بھائی جی کے پرانے دوست ہیں۔ ہمارے گھر میں برسوں سے آنا جانا تھا ان کا۔ وہ تھوڑی سی ترقی یا عہدے کے لیے ایسا نہیں کرسکتے۔''

''ارے پاکستان میں تو ایک موبائل کے پیچھے چور اُچکے گلے کاٹ جاتے ہیں اور تم کہتے ہو تھوڑی سی ترقی؟'' وہ باقاعدہ برا مان گئی تھیں۔

''پتا نہیں..... مگر میں ان پر شک نہیں کرسکتا۔ مجھے تو پارس کا ہاتھ لگتا ہے اس میں۔'' وہ متذبذب تھا۔

''ہاں تو اسی کا پلان کیا ہوگا سب... تنویر صاحب کو کسی بڑی چیز کا وعدہ دیا ہوگا اور اب وہ ساتھ مل گئے اور تو اور ہمارے ملازم تک اس لڑکی کا دم بھرنے لگے ہیں۔'' ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا دوسرا موبائل بجنے لگا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آپا سے فون پر بولا۔

''فون آرہا ہے میرا' بعد میں بات کرتا ہوں آپ سے پھر مجھے پارس کے گھر بھی جانا ہے۔''

''ہمارے گھر، فیضی۔'' انہیں اس کا لاشعوری طور پر ہی سہی اس گھر کو اس کی ملکیت تسلیم کر لینا بھی ناگوار گزرا تھا۔

''اونہوں، پارس ہمارے گھر میں نہیں رہتی۔ بھائی جی نے اسے اور اس کی ماں کو ہوٹل کے قریب بڑا سا بنگلا لے کر دیا تھا وہ اس کے ساتھ وہیں رہتے تھے۔ ہمارا گھر تو یہاں سے کافی دور ہے۔''

''اچھا تو وہ گھر کس کے نام ہے؟'' وہ تیزی سے بولیں۔

''پارس کے۔'' اس نے گہری سانس لے کر فون بند کر دیا اور اپنا دوسرا موبائل اٹھالیا۔ آفس کے ساتھی کی کال تھی۔ اسے سننی تھی۔

☆☆☆

ٹھنڈی ٹھنڈی سی شام پہاڑیوں پر اتر رہی تھی۔ پارس کے بنگلے کے ٹیرس سے دور دور تک پھیلے پہاڑ، کھائیاں، بل کھاتی سڑک سب نظر آرہا تھا۔ وہ وہیں ٹیرس پر کھڑی تھی۔ شال پیچھے سے دونوں کندھوں کو ڈھکتی آگے آکر بکل کی صورت تھی..... اس نے گہرا بھورا رنگ پہن رکھا تھا۔ چوڑی کے سائز کی کانوں میں پڑی بالیاں ہوا کے ساتھ ذرا ذرا سی ہلتیں۔ آنکھیں دور نیچے جمی تھیں جہاں سڑک کے ایک طرف بنی پتھریلی سیڑھیاں اوپر پارک تک جاتی تھیں۔

واقعات روشنائی کی طرح ہوتے ہیں جس جگہ ڈالے جائیں وہاں اپنا نشان ضرور چھوڑ جاتے ہیں مگر وہ ہر شخص کو نظر نہیں آتے۔ صرف وہی انہیں اس جگہ رہی پلے ہوتے دیکھ سکتا ہے جس کی نظر میں یادوں کا عدسہ لگا ہو پھر ہر جگہ، ہر گھر، ہر سڑک کا نام بدل جاتا ہے۔ ہم انہیں اپنے حساب سے یاد رکھتے ہیں اور پھر ساری زندگی ہم دنیا کو اپنے نقشوں، اپنے سائن بورڈز کے تحت ہی دیکھتے رہتے ہیں۔

''پارس بی بی!'' افضل بابا کی آواز پر اس کا ارتکاز ٹوٹا۔ وہ قدرے چونک کر پلٹی۔

''جی بابا؟''

''آفس سے کوئی صاحب آئے ہیں، میں نے لان میں بٹھایا ہے۔ آپ کا پوچھ رہے ہیں۔'' بابا نگاہیں چرا کر بولے، جیسے انہیں بہت شرمندگی سی ہو۔

''اچھا کب؟'' اس نے محسوس کیے بنا حیرت سے نیچے لان کو دیکھا۔ فائز حسن خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ''مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ خیر میں آتی ہوں۔''

اس نے گہری سانس لے کر اپنے ذہن پر چھائے نقشے لپیٹے، خود کو کمپوز کیا اور نیچے چلی آئی۔

وہ لان میں بیٹھا تھا۔ جینز، ہلکے سوئٹر اور جاگرز میں ملبوس اسے آتا دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا۔

''کہیے، کیسے آنا ہوا؟'' وہ تمکنت بھرے انداز میں سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میم آپ نے برا تو نہیں مانا کہ میں یہاں آگیا؟ دراصل آپ جلدی چلی گئی تھیں اور مجھے ایک ضروری درخواست کرنی تھی۔'' وہ بیٹھتے ہوئے قدرے ندامت سے بولا۔

''میں سن رہی ہوں۔''

''میم، بات یہ ہے کہ مجھے ہوٹل کی طرف سے یہاں قریب میں ہی رہائش مل گئی ہے مگر وہ بیچلرز پورشن ہے۔'' انگلیاں باہم پھنسائے وہ تذبذب سے کہہ رہا تھا۔ ''امی اور بہنیں..... کیا کروں میں ان کا..... وہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہیں، اصرار کر رہی ہیں۔'' پارس انہماک سے سنتی رہی کچھ بولی نہیں۔

''تنویر صاحب نے بتایا تھا کہ آپ کے گھر کی پچھلی طرف جو دو تین گھر ہیں وہ بھی ہوٹل ملازمین کے لیے ہیں۔ ان میں سے ایک گھر خالی ہے۔ میں

ایک بہت جونیئر عہدیدار ہوں، نیا ہوں پھر بھی سوچا درخواست کر لوں۔ اگر مجھے وہ گھر مل سکے تو.....''

اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

شال لپیٹے پیچھے ہو کر بیٹھی پارس مسکرائی۔ کل صبح وہ تلخی سے مسکرائی تھی، آج نرمی سے، دل سے مسکرا رہی تھی۔ بعض لوگ مسکرانا بالکل بھول جاتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے ہونٹوں کے گرد لاف لائنز بھی غائب ہو جاتی ہیں۔ پھر اگر کبھی وہ ذرا بھی مسکرا دیں تو لگتا ہے ان کی گردن پر کوئی اجنبی چہرہ آٹھہرا ہے۔ ایسا اجنبی جس سے آپ شناسا بھی ہوں اور وہ آپ کو اچھا بھی لگے۔

''میں کبھی وہ گھر آپ کو نہ دیتی اگر یہ درخواست آپ کی فیملی کی طرف سے نہ ہوتی۔ قدر کیجیے گا ایسے رشتوں کی جو آپ کے سینے کے اوپر پہنی جیب کے بجائے سینے کے اندر دھڑکتے دل میں دلچسپی رکھتے ہوں۔''

''میم میں بتا نہیں سکتا کہ میں کتنا خوش ہوا۔ عالیہ اور حمیرا تو خوشی سے پاگل ہو جائیں گی۔'' وہ بہت خوش، بہت احسان مند نظر آرہا تھا۔ پارس کی مسکراہٹ مزید نرم ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی تھی۔

''مجھے قطعاً امید نہیں تھی کہ آپ مان جائیں گی۔ امی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ خود آکر درخواست کریں گی لیکن ظاہر ہے یہ مناسب نہ تھا۔''

پارس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا۔ ہوا کے گرم جھونکے کی طرح ایک بازگاؤں سے ایسی ٹکرائی کہ لمحے بھر کے لیے سب گھوم گیا۔

''میں پارو کی ماں ہوں جی، خود آئی ہوں آپ کے پاس..... ایک درخواست کرنی تھی۔ پارو کہنے میں ہچکچا رہی تھی۔'' دانت نکوس کر کہتی فیروزہ مائی نے تائیدی نظروں سے ساتھ بیٹھی مضطرب و اداس سترہ، اٹھارہ برس کی لڑکی کو دیکھا جس کی ٹھوڑی ندامت کے باعث سینے سے لگی تھی۔

''کہو۔'' سلائی سینٹر کی مالکن آنٹی نے بیزاری سے کہا۔

''پارو کی تین ماہ کی ایڈوانس تنخواہ اگر مل جائے تو آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ اصل میں اس کا بھائی بڑا بیمار رہا ہے جی، دوا دارو پر بہت خرچا ہو گیا، قرض پڑ گیا ہے گردن پر۔ کچھ مدد ہو جائے گی.....'' لڑکی کی ٹھوڑی جیسے سینے سے چپک گئی تھی۔ آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ ہر طرف دھند چھا رہی تھی۔ ماں منتیں کر رہی تھی، آنٹی انکار کر رہی تھی۔

''تین مہینے کی تو مشکل ہے ہاں دو مہینے کی مل سکتی ہے وہ بھی اس شرط پر کہ یہ کوئی ناغہ نہیں کرے گی اور ہاں یہ آخری بار ہے جب میں تنخواہ ایڈوانس میں دے رہی ہوں۔'' نخوت سے بولتی آنٹی اٹھی اور اندر چلی گئی۔ لڑکی نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔

''شکیل نے دکان والے کا جو شیشہ توڑا تھا، وہ دو تنخواہوں سے تو نہیں پورا ہوگا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو مگر آواز میں دبی دبی سی تلخی تھی۔

''اے شش.....!'' فیروزہ مائی نے گھرکا۔

''اعلان کرے گی کیا اب؟ اور پورا ہو جائے گا ناں ٹیوشن والی باجی سے بھی دو ماہ کی ایڈوانس پکڑ لیں گے، یہ آنٹی پیسے لے آئے تو وہیں چلتے ہیں۔''

''کیا امی، کیوں مجھے سب کے سامنے شرمندہ کرواتی ہو؟'' وہ پھر روہانسی ہوئی۔

''زیادہ بک بک نہ کر، آرام سے بیٹھ۔''

دھند میں سب غائب ہوتا گیا۔ گرم ہوا کا تھپیڑا کب کا گزر چکا تھا۔ اس نے زبردستی توجہ فائز کی جانب مبذول کی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''مجھے اس روز فیضان صاحب کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے بعد میں بہت شرمندگی ہوئی۔ یوں لگا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

جیسے میں نے آپ کو ڈسٹرب کردیا ہو۔ غالباً آپ فیضان صاحب کو کچھ خاص پسند نہیں کرتیں۔''

پارس کی پھیکی مسکان بھی غائب ہوگئی، لب بھنچ گئے، آنکھوں میں تنفر سا در آیا۔ ایک تلخ سانس خارج کرکے اس نے سر جھٹکا۔

''پہلے مجھے لگتا تھا کہ جذبوں کے پیمانے نہیں ہوتے۔ آپ یا تو کسی سے محبت کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ نفرت کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ کم یا زیادہ محبت اور کم یا زیادہ نفرت، ایسا کچھ نہیں ہوتا۔'' بات کرتے ہوئے وہ چہرہ پھیر کر دور سرسبز پہاڑیوں کو دیکھنے لگی۔ ''مگر اب مجھے لگتا ہے کہ جذبے بھی ناپے جاسکتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی نفرت ہر نفرت سے بڑھ جاتی ہے۔ آپ کا قصور نہیں ہے، میں اس آدمی سے اتنی شدید نفرت کرتی ہوں کہ کسی کے بھی منہ سے اس کا ذکر سنتی تو ناگوار ہی گزرتا۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔

فائز نے بہ مشکل اپنے تاثرات چھپائے۔

(مجھ سے نفرت؟ میرے بھائی کو تم نے قتل کیا اور نفرت بھی تمہیں مجھ سے ہے؟ حیرت ہے!)

''بہر حال فائز صاحب، آپ اس گھر میں شفٹ ہوجائیں۔ میں تنویر صاحب کو مطلع کردوں گی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایک دفعہ پھر بہت شکریہ میم۔'' وہ زبردستی مسکرایا۔ جیسے ذہن پچھلی باتوں میں الجھا تھا۔ ''کیا میں آپ کے ملازم افضل بابا کو ساتھ لے جاؤں؟ اس گھر کی چابی انہی کے پاس ہے۔''

''اچھا۔'' وہ حیران ہوئی۔ گردن موڑی تو افضل بابا چائے کی ٹرے اٹھائے چلے آرہے تھے۔

''بابا اس گھر کی چابی آپ کو کس نے دی؟''

''تنویر صاحب نے بھجوائی تھی بی بی۔'' بابا نے نگاہیں جھکائے ٹرے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''بہر حال آپ فائز صاحب کو لے جائیے گا اُدھر۔ میں چلتی ہوں مجھے کچھ کام ہے۔'' وہ اٹھ کر گھر کی سمت بڑھ گئی۔ فائز واپس بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں پارس پر جمی تھیں۔ جو اَب گھر کی بیرونی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

دفعتاً اندر سے فیروزہ مائی باہر آتی دکھائی دی۔ پارس آخری اسٹیپ پر تھی جب وہ اس کے سامنے آرکی۔ پارس نے خاموش مگر گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ..... بات کرنی تھی مجھے۔'' فیروزہ مائی نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''اگر شکیل کے بارے میں ہے تو مت کرنا۔'' وہ دبے دبے تنبیہی انداز میں بولی۔

''نہیں، نہیں میں تو سوچ رہی تھی شاپنگ کے لیے چلی جاؤں بازار، تم بھی چلوگی؟''

''نہیں۔ ویسے بھی افضل بابا مصروف ہے اور ڈرائیور چھٹی لے کر گیا ہے۔ پیدل جاسکتی ہو تو چلی جاؤ۔'' وہ کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ فیروزہ مائی نے تلملا کر اسے دیکھا پھر دور لان میں بیٹھے آدمی کو جسے اب افضل بابا چائے سرو کررہے تھے اور پھر اُسے کروا پس ہولی۔

''بابا۔'' فائز نے پیالی اٹھا کر لبوں سے لگاتے ہوئے انہیں پکارا۔ وہ جی کہتے ہوئے سیدھے ہاتھ باندھے کھڑے ہوگئے۔

''یہ پارس، فیضان صاحب سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہے؟'' وہ چائے کے گھونٹ بھرتا اتنی احتیاط سے بول رہا تھا کہ دور سے اس کے لب ہلتے بھی نہ نظر آتے۔

''مجھے نہیں معلوم فیضی بابو۔ جب بھی آپ کا ذکر کروں تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں بی بی یا خاموش ہوجاتی ہیں۔'' فائز نے کپ رکھا اور پُرسوچ نگاہوں سے بنگلے کی طرف دیکھا۔

''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مجھے پہچان گئی ہو؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں بابو۔'' بابا نے افسوس

سر ہلایا۔

''حالانکہ غصہ مجھے اس پر ہونا چاہیے۔ وہ ہے بھائی کی قاتل۔''

''اللہ توبہ استغفار فیضی بیٹے، یہ بہت بڑا الزام ہے۔'' بابا نے بے حد دکھ سے کہا۔

''آپ کا بہت خیال رکھتی ہے شاید..... اسی لیے آپ اس کے خلاف کچھ نہیں بولتے۔ کیا بھائی جی سارا خیال اور فکر بھول گئے ہیں آپ؟'' وہ خفا ہوا۔

''بڑے صاحب کو کون بھول سکتا ہے مگر یہ لڑکی دل کی اچھی ہے۔ یہ کسی کا قتل نہیں کرسکتی، کبھی نہیں۔'' انہوں نے جیسے جھرجھری لی۔ فائز نے خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''یاد ہے آپ نے بتایا تھا کہ بھائی جی کے سر کے پچھلے حصے ..... پر کسی نوکیلی چیز کا نشان تھا۔ سیڑھیوں سے گرنے پر ایسا نشان کیسے پڑسکتا ہے؟''

''بیٹے وہ تو تھا مگر ہوسکتا ہے سیڑھیوں پر یا نیچے کچھ ایسا پڑا ہو جس پر وہ گر گئے ہوں۔ وہ رات بھی کتنی تو بہت خوف ناک اور یہ لڑکی اداکاری نہیں کررہی تھی۔'' بابا نے نفی میں سر ہلایا۔ سارا منظر ایک دم پھر ان کی نگاہوں کے سامنے تازہ ہوگیا۔

''میں اس وقت برآمدے میں آیا تھا اندر سے کچھ لے کر جب وہ مجھے آتی دکھائی دی.....'' جب وہ دونوں پچھلے گھر کی سمت چلنے لگے تو راستے میں افضل بابا بتانے لگے۔ وہ منظر انہیں آج بھی یاد تھا۔ اپنی تمام تر جزئیات سمیت۔

دسمبر کی سفید رات، برفباری، بنگلے کی مخروطی چھت برف سے اٹی تھی۔ اردگرد پہاڑیاں بھی سفید پوش تھیں۔ بنگلے کے سامنے سڑک شام کو ہی صاف کی گئی تھی سو وہ سرمئی دکھائی دیتی تھی۔ باقی ہر سو سفیدی تھی۔

اس وقت نرم نرم سی برف گر رہی تھی جب افضل بابا، جیکٹ ٹوپی اور مفلر میں لپٹے باہر برآمدے میں آئے۔ وہ جس کام سے آئے تھے ابھی وہ انجام دینے کا سوچا ہی تھا کہ سامنے بڑے گیٹ سے وہ بھاگ کر آتی دکھائی دی۔

وہ گرتی پڑتی دوڑتی آرہی تھی۔ سیاہ لمبے اوور کوٹ میں ملبوس جس کی ہُڈ سر کی پشت پر گری تھی اور بالوں پر برف کے ذرات ٹھہرے تھے۔ وہ حواس باختہ تھی، گھبرائی ہوئی، پریشان، رو بھی رہی تھی۔

''افضل بابا..... افضل بابا.....'' وہ جس طرح چلا چلا کر انہیں پکار رہی تھی، وہ سب بھول کر پریشانی سے اس کی طرف لپکے۔

''کیا ہوا بی بی؟''

''جلدی چلو، بڑے صاحب گر گئے ہیں اسپتال لے کر جانا ہے۔'' وہ پھولے تنفس اور آنسوؤں کے درمیان تیز تیز بولتی فوراً پلٹی۔

''میں گاڑی کی چابی لے لوں۔''

''وہ میرے پاس ہے، کار وہیں کھڑی ہے۔ جلدی آئیں۔'' وہ آگے دوڑتی گئی۔ افضل بابا جانتے تھے کہ پارس کو ڈرائیونگ نہیں آتی۔ وہ جتنی تیزی سے چل سکتے تھے چلتے گئے۔

وہ سیڑھیاں برف سے اٹی تھیں۔ آخری سیڑھی سے ذرا دور رضوان حیات سر کے بل گرے پڑے تھے۔ ان کی جیکٹ کی ہُڈ ان کے سر پر ہی تھی اور خون ہڈ سے بھی باہر ابل ابل کر سڑک اور برف پر بہہ رہا تھا یعنی زخم اتنا شدید تھا کہ ہڈ میں بھی سوراخ ہوگیا تھا۔

''رضوان، آپ ٹھیک ہوجائیں گے۔ بس ہم آپ کو اسپتال لے جائیں گے۔'' وہ جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑے انہیں سہارا دے کر اٹھانے لگی۔ وہ رو بھی رہی تھی، بدحواس بھی تھی۔ افضل بابا نے دوسری طرف سے سہارا دیا۔

رضوان حیات کی آنکھیں اس وقت کھلی تھیں۔ ان میں ایک عجیب سی حیرت اور شاک تھا، استعجاب..... بے یقینی.....

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''پارس..... پارس.....!'' وہ بار بار اس کا نام پکارتے۔ آواز مشکل سے نکل رہی تھی مگر اس میں بھی حیرانی تھی، بے یقینی تھی۔

☆.....☆

''میں آخری وقت تک بڑے صاحب کے ساتھ تھا۔ انہوں نے راستے میں ہی دم توڑ دیا تھا۔ آخری سانسوں میں یا تو انہوں نے پارس بی بی کا نام لیا یا آپ کا۔'' وہ دونوں اب اس چھوٹے سے مکان کے سامنے کھڑے تھے اور افضل بابا بتا رہے تھے۔

''میرا.....؟'' وہ چونکا۔ ''بھائی جی نے مجھے یاد کیا؟'' اس کی آواز بھرانے لگی۔

''جی..... بہت دفعہ فیضی، فیضی کہا۔ میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ مجھے اتنا سمجھ آیا کہ وہ پارس کو مخاطب کر کے آپ کا نام لیتے تھے۔ ایک دفعہ تو مجھے لگا کہ انہوں نے کہا ہے۔ ''فیضی سے کہنا.....''

''کیا..... کیا کہنا؟'' اس کی تو گویا سانس رک گئی۔

''مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پارس بی بی ان کے قریب تھیں۔ انہوں نے ہی سنا تھا۔ وہ سمجھ کر سر ہلا رہی تھیں، رو بھی رہی تھیں۔'' فائز بالکل خاموش ہو گیا۔ پارس نے اس سے فیضان کا رابطہ نمبر بھی پوچھا تھا پھر جیسے ارادہ بدل دیا۔ ایسا کیا تھا جو بھائی جی نے فیضان کو کہنے کو کہا ہو اور وہ بتانا نہ چاہتی ہو؟ شاید انہوں نے ہوٹل آخری لمحات میں فیضان کے نام کر دیا ہو، شاید پارس کو اس کا خیال رکھنے کو کہا ہو۔ پتا نہیں وہ عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔

''میں نہیں جانتا بڑے صاحب کو قتل کیا گیا ہے یا نہیں مگر پارس بی بی ایسا نہیں کر سکتیں۔'' گھر کا تالا کھولتے ہوئے افضل بابا کہہ رہے تھے۔ فائز نے جواب نہیں دیا اس کی پیشانی پہ پُرسوچ لکیروں کا جال بچھا تھا۔

☆☆☆

ہوٹل کی لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ دوپہر کے وقت بھی رنگوں، خوشبوؤں اور روشنیوں کا سماں تھا۔ لوگوں کی چہل پہل، ویٹرز کا آنا جانا، ریسپشن ڈیسک کے پیچھے کھڑے سوٹڈ بوٹڈ افراد جو ہر ایک کو مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

ایسے میں وہ کاریڈور سے چل کر آتی دکھائی دی تو ریسپشنسٹ ذرا سے مستعد ہو گئے مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ چہرہ لیے، کانوں میں بالیاں، کندھوں پہ شال جو آگے لا کر بازوؤں پر اکٹھی کر کے ڈالی تھی۔ وہ چلتے ہوئے اپنے سے ایک قدم پیچھے آتے فائز کی بات سن رہی تھی۔

''میں صرف مشورہ دے سکتا ہوں، عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔'' وہ ہاتھ میں ٹیبلیٹ پکڑے، سمجھانے والے انداز میں بولتا چلا آ رہا تھا۔ ''ہمارا ہوٹل مین سٹی سے تیس چالیس منٹ کی ڈرائیو پر ہے۔ آس پاس کوئی اچھا ہوٹل تک نہیں ہے صرف رہائشی بنگلے ہیں یا چند ایک شاپس اور ایک دو ڈھابے۔ ایسے میں سیاح کرتے یہ ہیں کہ دن بھر ہمارے ہوٹل کے وسیع و عریض لان، پول، کورٹس وغیرہ میں سیر کرتے ہیں، تصویریں بنواتے ہیں اور پھر ساتھ والے کسی ڈھابے پر لنچ کر کے یہ جا وہ جا۔ ایسے میں نقصان ہمارا ہو رہا ہے۔'' لابی کے ایک طرف لگے دو آمنے سامنے صوفوں میں سے ایک پر وہ بیٹھی اور اپنا پرس میز پر رکھا پھر اسے سر کے اثبات سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ نشست سنبھالتے ہی کہنے لگا۔

''ہمیں اس خواہ مخواہ کے رش کو ذرا ڈسپلن کرنا ہوگا۔ لوگ جن کورٹس، پولز، لانز کی مفت میں سیر کرتے ہیں ان کی مین ٹیننس پر ہم مہینے کا لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اس لیے میرا ایک مشورہ ہے میم۔''

پارس نے میز پر رکھے پانی سے بھرے وائن گلاس کو اٹھایا اور لبوں سے لگایا۔ وہ خاموشی بھرے دھیان سے سن رہی تھی۔

''ہمیں ہوٹل اینٹری کا ٹکٹ رکھنا چاہیے۔ فی

فس چند سو روپے، یوں ہر چیز بیلنس ہو جائے گی۔''

پارس نے گلاس میز پر رکھا اور آنکھیں سکیڑے پُرسوچ انداز میں اسے دیکھا۔

''یہ تو کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے والی بات ہوئی۔''

''کیا لوگ ہماری مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتے؟ کیا یہ ethical ہے کہ آپ کسی ہوٹل میں جائیں، دو تین گھنٹے وہاں گھومیں پھریں اور پھر وہاں ایک پیسہ خرچ کیے بغیر واپس چلے جائیں؟ ہم بھی تو لوگوں کو زبردستی نکال نہیں سکتے۔''

''مگر صرف داخلے کا اتنا ٹیکس؟''

''میم، دیکھیں یہ ٹیکس ان کے کھانے کے بل میں ایڈجسٹ ہو جائے گا۔ ہم کہیں گے کہ جتنا آپ کا ٹیکس بن رہا ہے آپ اتنے کا کھانا فری کھا سکتے ہیں، سمپل۔''

''اوکے، اب آپ نے درست بات کی ہے۔'' اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ فائز ذرا سا مسکرایا۔

''ایسا کرتے ہیں، میں.....'' پارس بولتے بولتے رکی۔ ایک ویٹر اس کے قریب آیا اور جھک کر کہنے لگا۔

''یہ صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔'' ساتھ ہی اس نے ایک کارڈ پارس کے سامنے رکھا۔ اس نے اچنبھے سے کارڈ اٹھایا۔

''شجاع طاہر علی۔''

الفاظ پڑھ کر اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔ جیسے سانس رک گئی ہو پھر اس نے حیرت سے سر اٹھایا۔

''کدھر ہیں یہ صاحب؟'' اس نے دھیرے سے ویٹر سے پوچھا۔ اتنے آہستہ سے کہ فائز کو بمشکل سنائی دیا۔ وہ اب کسی بھی ڈیسنٹ آدمی کی طرح سر جھکائے بظاہر اپنے ٹیب پر کچھ کام کر رہا تھا۔

''اس طرف۔'' ویٹر نے ریسپشن پر کھڑے ایک گرے کوٹ والے شخص کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔ پارس نے اس طرف دیکھا۔ اس شخص کی پشت تھی اس جانب۔ وہ بالکل ساکت سی ہوئی چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے چہرے پر اضطراب بکھرا۔

''انہیں بلا لیجیے۔'' ذرا بے چینی سے وہ بولی۔ ویٹر سر ہلا کر رخصت ہو گیا۔ پارس نے فائز کو دیکھا۔

''آپ کے وزیٹر ہیں تو میں ذرا ایڈمن بلاک سے اپنے کچھ پیپرز لے لوں۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ پارس نے بے توجہی سے سر ہلا دیا۔ اس کا دھیان بٹ چکا تھا۔

فائز نے لابی سے نکلتے ہوئے غور سے ریسپشن پر کھڑے آدمی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ یادداشت میں محفوظ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ ویٹر نے اس آدمی کے قریب جا کر کچھ کہا وہ سر ہلا کر مڑا اور پارس کی میز کی جانب دیکھا پھر نرمی سے مسکرا دیا۔

وہ گندمی رنگت کا خوش شکل سا آدمی تھا جس کی آنکھوں پر لگے فریم لیس گلاسز اس کے چہرے کی نرمی میں اضافہ کر رہے تھے۔

پارس مسکرائے بنا اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہوئی۔ گھونٹ بھر کر اسے واپس رکھا تو اندر موجود دو گھونٹ پانی ہولے ہولے ہلتا ساکت ہونے لگا۔ کن انکھیوں سے اسے وہ آدمی اپنی طرف آتا دکھائی دے رہا تھا۔ لابی کافی وسیع و عریض تھی۔ درمیان میں نصب فوارہ، لوگ، میزیں، وہ ہر رکاوٹ کی سائڈ سے نکلتا اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ گھٹا رہا تھا۔

گلاس کا پانی اب ساکت ہو چکا تھا۔ شفاف مائع پر ابھی تک پارس کی آنکھیں جمی تھیں۔ کارڈ پر لکھے ایک نام نے پانی پر بہت سی تحریریں لکھنی شروع کر دی تھیں۔

ان دیکھی مگر ان مٹ تحریریں.....

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دروازہ دھیرے سے کھٹکا تھا۔ پہلے دو دفعہ ہلکی دستک پھر تیسری تیز دستک۔ وہ جو کتابیں کھولے صحن میں بیٹھی تھی چونک کر سر اٹھایا۔ یہ دستک وہ پہچانتی تھی۔ اس نے کتاب پرے ہٹائی، ماتھے پر شکن لیے اٹھی۔ ایک نظر برآمدے کو دیکھا۔ اماں اور شکیل دوپہر سو کر گزار رہے تھے۔ وہ دروازے پر آئی اور اسے کھولا۔

''کیا ہے؟'' اس نے اسی پُرشکن پیشانی کے ساتھ سوال کیا۔

''وہ..... تائی سو رہی ہیں؟'' سامنے کھڑا لمبا تڑنگا مگر نرمی سے مسکراتا لڑکا ذرا جھجکا۔

''ہاں، اب بتاؤ کیا کام ہے؟'' وہ جلدی میں تھی اور بیزار بھی۔

''وہ صبح میں نے تمہیں گلی میں جاتے دیکھا تھا۔ تم لنگڑا کر چل رہی تھیں۔'' وہ سر جھکائے جلدی، جلدی بولنے لگا۔ ''مجھے لگا تمہارے پاؤں میں زخم ہے پھر لگا کہ جوتا ٹوٹ گیا ہے۔''

''ہاں ٹوٹ گیا تھا جوتا، آگے بولو شجاع۔'' وہ کوفت سے بولی۔ ایک اسی کے آگے تو ساری بیزاری دکھائی جاسکتی تھی۔

''ہاں تو میں ابھی بازار جارہا ہوں، جوتا دے دو موچی سے بنوا تا لاؤں گا۔''

''میں خود بنوالوں گی، زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جاؤ، امی نے دیکھ لیا تو غصہ کرے گی۔'' وہ دروازہ بند کرنے لگی۔

''دے دو ناں، میں بنوا تا لاؤں گا۔ ساتھ میں ہی تو ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''کہا ناں میں خود بنوالوں گی، اب جاؤ۔'' اس نے ٹھک سے دروازہ بند کردیا۔

یہ طے تھا کہ اسے زندگی میں کوئی تبدیلی چاہیے تھی نہ ہی تبدیلی لانے کی کوشش کرنا تھی۔ اس نے خود کو پانی کے دھارے پر چھوڑ رکھا تھا..... پانی جو اب بھی گلاس میں ٹھہرا تھا۔

پارس نے نگاہیں اٹھا کر پھر دیکھا۔ شجاع فوارے کے ایک طرف سے نکل کر اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ابھی درمیان میں بہت راستہ تھا۔ ابھی اسے فوارے کا آدھا چکر پاٹنا تھا۔

فوارہ، جس سے نکلتی پانی کی دھاریں اُبل اُبل کر حوض میں گر رہی تھیں۔ ان قطروں میں چہرے تھے۔ ادھورے، ان مٹ چہرے.....!

''تمہیں کس نے بولا تھا میرے لیے جوتے لانے کو؟'' اس نے چڑنے والے انداز میں پلاسٹک کے جوتوں کا تھیلا اس کے ہاتھوں میں واپس تھمایا۔ شجاع نے سر جھکا دیا۔

''میں نے آج صبح پھر دیکھا، تم نے جوتا ٹھیک نہیں کروایا۔ تم تائی کی کھلی، پرانی جوتی پہن کر جارہی تھیں۔''

''ہاں تو تمہیں کیا؟''

''مجھے اچھا نہیں لگتا پارو۔ میں تمہارے چچا کا بیٹا ہوں۔ ساتھ والے گھر میں رہتا ہوں۔ ایک جوتا بھی نہیں لاکر دے سکتا کیا؟'' اس کے انداز میں پھر بے بسی در آئی تھی۔

''نہیں..... مجھے کچھ لینا ہوگا تو اپنے پیسے سے لوں گی تمہاری خیرات نہیں چاہیے مجھے۔'' وہ چوکھٹ پر کھڑی دبے دبے غصے سے بول رہی تھی۔

اندر جمع ہوتے غصے کو اگر باہر نکلنے کے لیے صرف ایک ہی سوراخ ملے تو وہ پورے زور سے اسی جگہ سے نکلتا ہے اور پھر وہ نہیں دیکھتا کہ وہ کس پہ گر رہا ہے۔ پارس اور شجاع کا بھی یہی معاملہ تھا۔

''اچھا سارے پیسے تو تم تائی کو دے دیتی ہو اپنے لیے کیا لوگی؟'' وہ بھی جیسے جرأت کرکے بول پڑا۔ پارس لمحے بھر کو چپ ہوگئی۔

''یہ جوتے رکھ لو جب تنخواہ ملے تو پیسے دے دینا۔''

''نہیں مجھے نہیں رکھنے۔ یہ مت سمجھنا کہ میرے

پاس پیسے نہیں ہیں۔ بہت پیسے ہیں مگر..... ہاں جب تنخواہ ملے گی تو میں تمہیں پیسے دوں گی، لے آنا کچھ بازار سے مگر میرے پیسوں کا، ہاں۔'' اس نے پھر سے دروازہ ٹھک سے بند کیا۔ منظر دھندلا گیا۔ اس دھند سے ایک اور دن، ایک اور پہر، ایک اور گھڑی طلوع ہوئی۔ دھند چھٹنے لگی۔ وہ چھت کی منڈیر کے ایک طرف کھڑی تنقیدی نظروں سے الٹ پلٹ کر ان چوڑی کے سائز کی سلور بالیوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں پچاس روپے دیے تھے۔ یہ پچاس کی تو نہیں ہیں۔''

منڈیر کے اس طرف کھڑے شجاع کا رنگ پھیکا پڑا اس نے تھوک نگلا۔

''نہیں تو..... پورے پچاس روپے کی ہیں۔''

''نہیں، میں اس دن سلائی کے لیے لیس اور بٹن لینے گئی تھی صدر، وہاں بالکل ایسی بالیاں دیکھی تھیں مگر وہ سو روپے کی تھیں۔'' وہ شش و پنج میں پڑ کر نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''ہاں، نہیں، یہ بھی ستر کی تھیں مگر میں نے بھاؤ تاؤ کرکے کم کروالی قیمت۔ تم نے بھاؤ تاؤ تھوڑی کیا ہوگا۔ ایک ہی دفعہ قیمت پوچھی ہوگی۔''

''ہاں یہ بھی ہے۔'' اس نے نیم رضامندی سے سر اثبات میں ہلا دیا پھر چھت کے دروازے کو دیکھا۔ ''اچھا اب تم جاؤ، امی نے دیکھا تو قیامت آجائے گی۔ مجھے بھی نہیں پسند یوں ملنا، آئندہ کام ہو تو سیدھے دروازے سے آنا۔'' وہ دوٹوک کہہ کر بالیوں کا پیکٹ اٹھائے اندر کی طرف بھاگ گئی۔ شجاع نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتا دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں چمک تھی۔ فوارے کے چمکیلے پانی کی طرح ٹپ ٹپ گرتے قطرے ہیروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔

پارس نے اب کی بار نگاہیں اٹھائے بغیر محض کن انکھیوں سے جانچنا چاہا کہ وہ کتنا فاصلہ عبور کرچکا ہے۔ وہ اب میزوں کے اس طرف گلاس وال کے ساتھ ساتھ چلتا آرہا تھا۔ گلاس وال کے دوسری جانب ہوٹل کا کھلا سا شفاف نیلا چمکتا سوئمنگ پول تھا۔ وہ ایسا تھا جیسے مستطیل گڑھے میں نیلا کانچ بھر کر جما دیا ہو۔

نیلے کانچ میں بھی کہانیاں تھیں۔ ادھوری، ان مٹ کہانیاں.....

وہ رات کے وقت چھت پر کرسی ڈالے بیٹھی تارے دیکھ رہی تھی۔ گردن کرسی کی پشت سے ٹکا کر، چہرہ آسمان کی طرف کر رکھا تھا۔ چوٹی پیچھے گری تھی اور بالیاں کانوں میں چمک رہی تھیں۔

''جہاں پورا سال نہیں پہنی تھیں بالیاں وہاں اب بھی نہ پہنتیں۔'' آواز پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ منڈیر پہ بازو رکھے کھڑے وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ اس کی پچھلی یادوں کی نسبت وہ اب خاصا.. پُراعتماد لگ رہا تھا۔ اور خود پارس کے چہرے پر نہ کلفت آئی نہ بیزاری۔ بس سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہے؟''

''اس ایک سال میں تین دفعہ تائی نے تمہاری الماری سے یہ بالیاں ڈھونڈ کر کوڑے میں پھینکی ہیں، ہر دفعہ اٹھا لاتی ہو واپس اور دھو کر سنبھال لیتی ہو۔ کیا یہ اس لیے ہے کہ انہیں میں لایا تھا؟'

پارس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

''مجھے لانے والے سے فرق نہیں پڑتا۔ اگر پڑتا ہے تو صرف اس بات سے کہ یہ میری وہ پہلی کمائی ہے جو میں نے خود پر خرچ کی ہے۔''

''اور شاید واحد بھی۔'' وہ اٹھ کر اندر جانے لگی جیسے بیٹھنا بیکار ہو۔

''میں برطانیہ جارہا ہوں۔'' وہ ٹھٹک کر رکی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔

''کیوں؟'' سیاہ آنکھوں میں حیرت ابھری تھی۔

''لوگ کیوں جاتے ہیں؟ پیسہ کمانے، گھر کے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

حالات اچھے کرنے۔'' وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر ذرا سے کندھے اچکائے۔

''اچھی بات ہے، کرو گھر کے حالات اچھے... میں جاؤں اب؟''

''ایک منٹ سنو!'' وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر اب سنجیدگی ہی سنجیدگی تھی۔ ''تم میرا انتظار کرو گی؟''

''نہیں۔'' وہاں تبدیلی کی کوئی خواہش نہ تھی۔

''اگر میں کہوں کہ کرنا تب بھی نہیں؟'' اسے جیسے دکھ ہوا۔

''نہیں، میرے پاس کرنے کو اور بھی بہت کام ہیں۔'' چند لمحے دونوں کے درمیان تاریک خاموشی چھائی رہی پھر وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

''میں خط لکھوں گا، فون بھی کروں گا۔ اماں تمہیں میرے خط ضرور دے گی۔''

''مت لکھنا، نہ ہی فون کرنا۔ اگر مجھے تمہارا انتظار کرنا ہوا تو مجھے خط یا فون کی ضرورت نہیں ہوگی۔ نہ کرنا ہوا تو تمہارے سارے خط، سارے فون بیکار۔''

''میں آؤں گا پارو، تمہارے لیے آؤں گا۔''

''بالکل ویسے ہی اگر تمہیں آنا ہوا تو آجاؤ گے اور جب آؤ گے تب کی تب دیکھی جائے گی، اللہ حافظ!'' وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے آخری بار دیکھا۔ وہ اپنی چھت کی منڈیر کے پیچھے کھڑا یاسیت سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

پارو کی آنکھوں میں پانی چمکا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پھر اپنی بالیوں کو چھوا۔ پانی کا ایک قطرہ گال پر لڑھکا پھر دوسرا پھر تیسرا مگر چوتھا نہیں گر سکا۔ شعوری کوشش نہیں تھی۔ لاشعوری اسٹاپ لگ گیا تھا کہ جذبہ بس اتنا ہی تھا۔

نیلے کانچ پر سورج کی شعاعیں رقص کر رہی تھیں۔ وہ گلاس وال کے ساتھ چلتا ہوا اس کی میز کے سامنے آرکا۔ پارس نے سر اٹھایا۔ وہ نرمی سے مسکرا رہا تھا۔ وہ بدل گیا تھا۔ زیادہ خوش شکل ہو گیا تھا، کپڑے بھی اچھے تھے، سوٹ اور ڈریس شرٹ..... بہت امیر نہیں مگر ڈیسنٹ۔ وہ ہلکا سا مسکرائی، رسمی سی مسکراہٹ لیے جگہ سے اٹھی۔

''السلام علیکم، کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟'' شجاع کی مسکراہٹ لمحے بھر کو پھیکی پڑی پھر وہ دوبارہ سے مسکرایا اور سر جھٹکا۔

''کیا تم یہ پوچھنا چاہ رہی ہو کہ میں تمہیں جانتا ہوں یا نہیں، پارس؟''

''مسز رضوان حیات..... اور نہیں، آپ مجھے نہیں جانتے، بیٹھیے۔'' وہ ہاتھ سے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واپس بیٹھی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ لی۔ نفاست، تمکنت، اعتماد۔ شجاع نے جیسے تسلیم کرتے ہوئے سر کو اثبات میں خم دیا اور بیٹھ گیا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ کہنا چاہوں گا کہ آپ مجھے نہیں جانتیں مگر میں آپ کو جانتا ہوں، ہمیشہ سے۔''

پارس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

''کتنا عجیب لگتا ہے ناں شجاع جب آپ کے ماضی سے کوئی اٹھ کر آپ کے سامنے آئے اور دعویٰ کرے کہ وہ آپ کو جانتا ہے۔ پتا ہے میں تو ہنس دیتی ہوں ایسے قرابت داروں پر۔'' وہ ہلکا سا ہنسی۔

''وہ کیسے ہمیں جان سکتے ہیں جبکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی برسوں کی خلیج حائل ہو چکی ہو۔ وقت اور وقت کے لگائے زخم، یہ جتنا بڑھتے جائیں اتنا ہی ماضی کے قرابت داروں سے آپ کو دور کر دیتے ہیں اور ہمارے درمیان تو آٹھ سال حائل ہیں اور پتا ہے شجاع، یہ خلیج نہیں ہے..... یہ تو خلا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا۔'' اپنی بات کہہ کر وہ پھر ذرا سا

مسکرائی۔ شجاع نے اسی نرم مسکراہٹ کے ساتھ سر ہولے سے جھٹکا۔

''مسز پارس، آپ اس خلا کے پار بھی ویسی ہی ہیں جیسا آپ کو ہونا چاہیے تھا۔ ان آٹھ سالوں میں، میں نے جتنی دفعہ بھی تمہارے بارے میں سوچا یہی لگا کہ اب تم ایسی ہو گی، بالکل ایسی ہی اور میں غلط نہ تھا۔''

''انسان بہت پیچیدہ مشین ہے۔ جتنا انسان خود اپنے آپ کو جانتا ہے اتنا کوئی دوسرا انسان اسے نہیں جان سکتا۔''

''یعنی میں اس دعوے سے پیچھے ہٹ جاؤں کہ میں آپ کو جانتا ہوں؟ ٹھیک ہے شاید اسی میں بہتری ہو۔'' پارس اسی طرح بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھتی، مسکرا رہی تھی۔

''سو شجاع، اب اتنے عرصے بعد اچانک کیسے آئے ہو؟'' فقرہ ختم کرتے ہی پارس نے گردن ہلائے بغیر، نگاہیں آگے پیچھے دوڑائیں۔ ہوٹل ریسپشن، لابی کی اونچی چھت، چار دیواری، باہر کے کھلے ہرے بھرے میدان، پول اور واپس اپنے پرس تک پھر نگاہیں اس کی طرف اٹھائیں اور مسکرائی۔ وہ غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک اداسی در آئی تھی۔

''نہیں پارس، میں ان چیزوں کے لیے نہیں آیا۔ جانتا ہوں کہ یہ ہوٹل اب تمہاری ملکیت ہے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک امیر بیوہ بن چکی ہو۔ یہ نہیں جانتا کہ تم نے رضوان حیات سے شادی کیوں کی تھی مگر میں صرف تم سے ملنے آیا ہوں۔''

''مل لیے؟'' اس کی مسکراہٹ سمٹی، شجاع اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہارے گھر کا ایڈریس ہے میرے پاس مگر تمہاری اجازت کے بغیر نہیں آنا چاہتا۔ تائی سے بھی ملاقات ہو جائے گی اس بہانے۔''

''جب جی چاہے آؤ، میرے کزن ہو مجھے کیا اعتراض ہوگا۔'' پارس نے ہلکے سے ابرو اچکائے۔

''تھینکس۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گیا۔ اس کے پلٹتے ہی پارس کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ بے رحم مسکراہٹ کی جگہ سپاٹ سنجیدگی چھا گئی۔ آنکھوں میں البتہ لمحے بھر کو اضطراب جھلکا تھا پھر خاموشی..... سرد پن۔

وہ لابی سے نکل کر باہر چلا گیا تھا۔ پارس موبائل پر فائز کا نمبر ملانے لگی۔ اس کے انداز سے البتہ بے توجہی عیاں تھی۔

☆☆☆

افضل بابا نے پانی کی ٹونٹی بند کی۔ دھلی دیگچی سلیب پر رکھی، مگ ٹوکری میں ڈالے اور صافی سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اپنے خیال میں پلٹے کہ ایک دم ڈر گئے۔ سامنے فیضان کھڑا تھا۔ انہیں ڈرتے دیکھ کر مسکرایا۔

''سوری، میں نے آپ کو ڈرا دیا۔''

''نہیں، تم کب آئے؟'' وہ شرمندگی سے مسکرائے۔ ''بلکہ کیسے آئے؟''

''یہیں کچن کے پچھلے دروازے سے۔'' اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ افضل بابا نے پریشانی سے اسے دیکھا اور پھر لاؤنج میں کھلتے دروازے کو۔

''اس طرح تمہیں یہاں کسی نے دیکھ لیا تو؟''

''میرے ٹیرس سے سب نظر آتا ہے۔ پارس نکل چکی ہے اور اس کی ماں بھی ساتھ ہی گئی ہے۔'' وہ بے فکر تھا۔

''ہاں، انہیں دفتر جانا تھا اور فیروزہ بیگم کو کہیں راستے میں اتارنا تھا۔'' افضل بابا پھر بھی مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ چہرے پر پریشانی ہنوز موجود تھی۔

''ان میں سے کوئی کسی بھی وقت آسکتا ہے۔''

''جانتا ہوں، میرا کام زیادہ لمبا نہیں ہے۔ پہلے مجھے بتائیں پارس کے اپنی ماں سے کیسے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تعلقات ہیں؟'' افضل بابا شش و پنج میں پڑ گئے۔

''ہاں ٹھیک ہیں، دونوں زیادہ بات نہیں کرتیں۔ ویسے وہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔''

''اچھا!'' وہ چونکا۔ ''بھائی جی کو پتا تھی یہ بات؟''

''ظاہر ہے۔'' افضل بابا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اب کھڑکی کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے تاکہ باہر سے کوئی آتا تو انہیں نظر آ جاتا۔

''بھائی جی سے اس کا کیسا رویہ تھا؟''

''بہت اچھا، دونوں میں بہت محبت تھی۔'' بابا کے لہجے میں نرمی گھل گئی جیسے ان دونوں سے زیادہ بابا کو ان سے محبت ہو۔ فائز نے تنفر سے سر جھٹکا۔

''سب ڈراما ہے اس کا۔ بھائی جی کی موت کا سب سے زیادہ فائدہ پارس کو ہوا ہے۔ ان کا سب سے بڑا ہوٹل اس نے اپنے نام لگوالیا ہے اور جانتے ہیں بھائی جی نے کراچی اور پنڈی والا ہوٹل بھی اس کے نام کر دیا تھا۔ یہ بات مجھے دو تین ماہ پہلے معلوم ہوئی ہے۔'' وہ دبے دبے غصے سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ''پتا نہیں ایسا کیا جادو کیا اس نے بھائی جی پر کہ وہ اس پر سب لٹاتے گئے۔''

''وہ اس سے بہت محبت کرتے تھی فیضی بیٹا۔''

''مجھے یقین نہیں ہے۔ مجھے کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ میرے نزدیک وہ میرے بھائی کی قاتل ہے اور میں اپنے بھائی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا۔''

''کیا کرو گے تم؟'' افضل بابا خوف زدہ نظر آنے لگے۔

''وہی جو اس نے بھائی جی کے ساتھ کیا۔'' وہ بے رحمی سے مسکرایا پھر سر جھٹکا۔ ''خیر آپ نے مجھے بتایا تھا کہ بھائی جی کے سر پر لگی چوٹ سے ان کی جیکٹ کی ہڈ بھی پھٹ گئی تھی۔'' افضل بابا نے بہ مشکل اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جو سمجھ رہے تھے کہ وہ صرف پارس سے متنفر ہے تو وہ غلط تھے۔ وہ تو برابر کا بدلہ چاہتا تھا۔

''وہ جیکٹ پارس نے سنبھال کر رکھی ہے، آپ نے بہت پہلے بتایا تھا؟''

''جی، ایک دن کمرے کی صفائی کرتے ہوئے مجھے وہ نظر آئی تھی۔''

''مجھے وہ جیکٹ چاہیے۔''

''فیضی بیٹا، اسے شک ہو گیا تو؟'' وہ مزید پریشان ہو گئے۔

''بے فکر رہیں بس دیکھ کر لوٹا دوں گا، ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا۔''

''اچھا بیٹھو، لاتا ہوں۔'' وہ گومگو کیفیت میں سر ہلاتے اندر چلے گئے۔

وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سرسری نظروں سے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ چند منٹ گزرے تو وہ آتے دکھائی دیے۔ ان کے ہاتھوں میں ایک پلاسٹک کا پیکٹ تھا جس میں ایک جیکٹ تہ کی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''جلدی سے دیکھ لو، وہ آ نہ جائے۔'' وہ تشویش سے کہتے ہوئے کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے۔ فائز نے پیکٹ میز پر رکھ کر کھولا۔ جیکٹ نکالی۔ اس میں سے خون کی بُو ابھی تک نہیں گئی تھی۔ اسے جیسے کبھی دھویا نہیں گیا تھا۔ پیکٹ میں بند ہونے کی وجہ سے بُو بھی اندر ہی تھی۔

اس نے جیکٹ سیدھی کی۔ اس کی ہڈ درمیان سے پھٹی ہوئی تھی۔ سوراخ اخروٹ کے سائز کا تھا اور اس کے گرد خون کے واضح نشان تھے۔ اس نے ہڈ دیکھنے کے لیے جیکٹ کو اوپر اٹھایا تو کچھ نیچے گرا۔

چھن..... چھن..... چھن۔ افضل بابا اور فائز دونوں چونکے۔ جیکٹ کے اندر شیشے کا ایک ٹکڑا تھا جو فرش سے ٹکرایا مگر ٹوٹا نہیں۔ اس نے حیرت سے ٹکڑا اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ سرخ نہیں تھا یعنی جیکٹ کا خون خشک ہونے کے بعد اندر ڈالا گیا تھا۔ وہ دھندلا سا تھا۔ کس چیز کا حصہ تھا؟ کچھ کہا نہیں

جا سکتا تھا۔

''کیا یہ شیشہ ان کے سر میں لگا تھا مگر یہ تو.....''

وہ حیرت میں پڑ گیا دفعتاً افضل بابا کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

''فیروزہ بیگم آ گئیں، تم جاؤ جلدی۔'' وہ کرنٹ کھا کر اٹھا اور جیکٹ تہ کرنے لگا۔ افضل بابا نے تیزی سے روکا۔

''تم جاؤ میں کرلوں گا، بس جاؤ۔'' اس نے جیکٹ اور شیشہ وہیں چھوڑا پہلے متذبذب نگاہوں سے افضل بابا کو دیکھا پھر کھڑکی سے باہر جہاں فیروزہ بیگم لان کے اسٹیپس پر تھیں اور پارس پیچھے گیٹ پر تھی۔ وہ یقیناً سڑک کی سیڑھیاں دیکھنے کے لیے رکی ہو گی اسی لیے پیچھے رہ گئی تھی۔

وہ کچن کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ افضل بابا نے جلدی جلدی پیکٹ میں سب ڈالا، اسے بند کیا اور اوپر چلے آئے۔ اس کی الماری میں وہ رکھ کر دونوں دروازے بند کر کے جب وہ کمرے سے نکلے تو پارس سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ انہیں اپنے کمرے سے نکلتا دیکھ کر اس کی خوب صورت آنکھوں میں حیرت ابھری اس نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''جھاڑ پونچھ صبح رہ گئی تھی آپ کے کمرے کی، وہی کر رہا تھا۔'' وہ مسکرا کر جلدی سے بتانے لگے۔ وہ ہوں کہہ کر سر ہلاتی اوپر زینے چڑھنے لگی۔

''بیٹی۔'' جب وہ ان کے ایک طرف سے ہو کر نکلنے لگی تو وہ بے اختیار پکار اٹھے۔

''جی۔'' پارس نے رک کر انہیں دیکھا۔ افضل بابا چند لمحے دکھ سے اسے دیکھتے رہے۔ ان کی آنکھیں نم ہو گئیں پھر بولے۔

''احتیاط کرنا۔''

''کس سے؟'' پارس ہلکا سا چونکی۔

''ہر کسی سے..... رضوان صاحب کے بعد تمہارے دشمن بہت سے بن گئے ہوں گے۔'' پارس

حریص انسان

جس دن سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے ضرورتوں کا حصار اس کے گرد وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ بلاشبہ بعض ناگزیر ضرورتیں ہیں مگر حریص فرد اور حریص معاشرہ مادی دولت حاصل کرنے کے لیے اخلاقی قدروں کو پامال کرتا ہوا دیوانہ وار آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ایک اخلاقی گراوٹ اور رذالت کی وجہ سے اس میں سیکڑوں دوسری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حسد، بخل، قطع رحم، خیانت، بزدلی، بدگمانی اور عداوت کے شعلوں میں حریص انسان عمر بھر جھلستا رہتا ہے، اس کے دل کو سکون اور طمانیت کی دولت کبھی میسر نہیں آتی۔ یہ حرص و طمع کا جذبہ ہی ہے، جو ایک دوسرے کی جان لینے اور مال چھین لینے پر ابھارتا ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''حرص سے بچو کیونکہ اس نے اگلوں کو دعوت دی کہ وہ بے گناہوں کا خون بہائیں، اس نے اگلوں کو دعوت دی کہ حرام کو حلال سمجھیں۔''

اقتباس: از مضمون حرص و طمع، شہید حکیم محمد سعید
مرسلہ: فضہ بتول، اسلام آباد

اداسی سے مسکرائی۔

''بابا، اگر مجھے کسی سے خطرہ ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے تو وہ اور کوئی نہیں، صرف فیضان ہے، رضوان کا بھائی۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' افضل بابا کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ آنکھوں میں خوف اترا۔

''مگر فیضی تو..... امریکا میں ہے۔'' پارس نے ایک نظر انہیں دیکھا۔ ایک گہری نظر پھر ہلکا سا مسکرائی۔

''جانتی ہوں۔'' وہ اندر کی سمت بڑھ گئی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

افضل بابا کے قدم گویا زمین میں گڑ گئے۔

''جانتی ہوں''..... وہ کیا جانتی ہے؟

☆☆☆

رضوان حیات کے بنگلے کے عقبی طرف اونچا نیچا سا جنگل تھا۔ سرو قد درخت، ویرانہ، خاموشی۔ دور کہیں جانور بولتے، پرندے چیختے تو زندگی کا گمان ہوتا ورنہ بس ایک جامد چپ سی تھی۔

صبح ابھی نیلے رنگ سے سفیدی میں تبدیلی کے ارتقا میں تھی۔ ہوا ٹھنڈی سی چل رہی تھی۔ فائز نے اپنے گھر کی اوپری منزل کی کھڑکی سے جھانکا تو وہ ڈھلان اترتی دکھائی دے رہی تھی۔ سیاہ شال اب کہ اس نے بکل ڈال کر اوڑھ رکھی تھی۔ ایسے کہ سینے پر لپٹے بازو شال کے اندر تھے۔ کولہا پوری چپل کے بجائے کینوس شوز پہنے اور بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھے وہ سر جھکائے چل رہی تھی۔ وہ یقیناً واک پر نکلی تھی۔ فائز ہلکا سا مسکرایا اور جھک کر جوگرز پہننے لگا پھر سیدھا ہو کر اس نے دوبارہ نیچے دیکھا۔

وہ جنگل کی طرف جا رہی تھی۔ فائز نے ایک نگاہ اطراف میں دوڑائی جیسے اس تک پہنچنے کا متبادل مگر اتفاقیہ ٹکراؤ کا راستہ ڈھونڈ رہا ہو پھر جیسے سمجھ کر مسکرا دیا۔ اسے لمبا چکر پڑنا تھا مگر ظاہر ہے وہ ایک ''اتفاق'' ہوگا۔

پارس کے کینوس شوز بنا چاپ پیدا کیے نیچے گرے پتوں کو روندتے چلے جا رہے تھے۔ وہ زمین کو دیکھتی چل رہی تھی۔ اس کا ذہن جیسے کہیں دور الجھا تھا۔ چلتے چلتے اب وہ جنگل کے اندر پہنچ چکی تھی۔ دفعتاً اونچے درختوں کے درمیان ایک جگہ وہ رکی، جوتے کی نوک سے پتے ہٹائے۔ ایک کاکروچ کی شکل کا کیڑا پتے کے نیچے سے نکل کر تیزی سے آگے جا رہا تھا۔ پارس رک کر اس کیڑے کو دیکھنے لگی۔ وہ رینگتا ہوا اس سے دور جا رہا تھا۔ وہ پنجوں کے بل زمین پر بیٹھی اور نگاہوں سے کیڑے کا تعاقب کرنے لگی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں اداسی تھی، لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ بے حد اداس مسکراہٹ۔

درختوں کے پتے ہوا سے ذرا ذرا کھڑکنے لگے، ہلکی سرسراہٹ میں اس سے بھی ہلکی سرگوشیاں سنائی دینے لگیں۔ اَن مٹ کہانیاں پھر سے ہر جگہ چھانے لگی تھیں.....

ہوٹل کی لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ ریسپشن ڈیسک کے پیچھے سیاہ لیڈیز سوٹ میں ملبوس کھڑی لڑکی مسکرا کر سب کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ اس نے درمیان سے مانگ نکال کر بالوں کو کس کر جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔ کانوں میں بڑی بڑی بالیاں تھیں۔

وہ بہت پیشہ ورانہ مہارت اور خوش اخلاقی سے سامنے کھڑے صاحب کو کچھ بتا رہی تھی جب لابی میں ایک غیر محسوس ہلچل مچی۔ ایک الرٹ سی کیفیت جو مہمانوں کو کبھی نہیں اور عملے کو ہمیشہ محسوس ہو جاتی تھی، تب جب باس قریب ہوتے۔

اس نے بھی بات ختم کرتے ہوئے ایک نظر کاریڈور کو دیکھا۔ رضوان حیات وہاں سے چلے آ رہے تھے۔ ان کے عقب میں سیکریٹری اور بائیں طرف ایک اعلیٰ آفیشل تھے۔ مہربان صورت، سیاہ سفید مونچھیں، سرمئی کنپٹیاں وہ سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر ساتھ والے صاحب کی بات سن رہے تھے۔

''پارس، باس از ہیئر۔'' لڑکی کے ساتھ کھڑا سوٹ میں ملبوس ریسپشنسٹ اس کا نام لے کر زیر لب بولا۔ وہ بھی ذرا زیادہ الرٹ سی کھڑی ہوگئی۔ ہمارا بڑا ہمیں دیکھ رہا ہے، یہ احساس ہی انسان کو سیدھا کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

وہ چہرے پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ طاری کیے کھڑی کن انکھیوں سے رضوان حیات کو ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے آفیسر سے بات کرتے کرتے ایک دم رکے، ان کی نگاہیں پارس کے اوپر ٹکیں، وہ یکایک

معذرت کرتے تیزی سے اس طرف آئے۔ پارس نے بے اختیار اُن کو دیکھا اور مسکرائی۔

''خوش آمدید، مسٹر حیات۔'' مگر انہوں نے مسکرائے بنا ذرا ناراضی بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے ریسپشن ڈیسک سے پین اٹھایا اور اس کی نوک سے پارس کی مانگ کے دائیں طرف چھوا، جیسے کچھ دھکیلا ہو۔

وہ ایک دم پیچھے ہوئی، ایک کاکروچ اُڑتا ہوا پیچھے رکھے بڑے سے گملے پر جا بیٹھا تھا۔ پارس نے بے اختیار اپنے بالوں کو چھوا اور پھر باس کو دیکھا۔ وہ برہمی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کے بالوں پر کاکروچ تھا مس اور آپ کو احساس تک نہیں ہوا؟''

''کوئی بات نہیں سر، میں اس سے تو بڑی ہی ہوں۔'' وہ بہت نرمی سے مسکرائی۔

''ناٹ فنی، لیڈی۔'' پھر انہوں نے پریشان کھڑے ساتھی لڑکے کو دیکھا۔ ''میٹرن کو بلاؤ، صفائی کے عملے کو بلاؤ۔ میرے ہوٹل کی لابی میں کیڑے کہاں سے آئے؟''

''یس سر۔'' وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھا۔ پارس نے پلٹ کر گملے کو دیکھا۔ کاکروچ سکون سے ایک پتے پر چڑھا بیٹھا تھا۔

''سر یہ اِن ڈور پلانٹس ہیں مگر انہیں بھی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج جب دھوپ نکلی تھی تو گھنٹے بھر کے لیے انہیں باہر رکھا گیا تھا۔ یہ بھی گملے پر چڑھ گیا ہوگا۔''

''آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ ہمارا صفائی کا عملہ اتنا بے پروا ہے کہ وہ اتنا بڑا کیڑا گملے میں نہیں دیکھ سکتا یا ہمارے ڈرین ہولز پر باقاعدہ اسپرے نہیں کیے جاتے۔''

''سر اسپرے بالکل کیے جاتے ہیں، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا..... رہی اس بے چارے کی بات تو یہ کاکروچ ہے سر۔ ہیروشیما اور ناگاساکی میں جب ایٹم بم برسائے گئے تھے تو وہاں کتنے انسان مر گئے جو بچے ان کی نسلیں تک معذور ہوگئیں مگر ایک چیز وہاں تب بھی اثر لیے بغیر مزے سے پھر رہی تھی۔'' وہ مسکرائی۔ ''کاکروچ! اب جس چیز کو امریکا کے ایٹم بم نہیں ختم کر سکے اسے اسپرے اور دوائیاں کہاں ختم کر سکتی ہیں سر۔'' وہ بہت پُرسکون، ٹھنڈے مگر مؤدب انداز میں کہہ رہی تھی۔

''آپ کو احساس ہے کہ ہمارے ہاں کون لوگ آتے ہیں، کس اعلیٰ پائے کے عہدیدار آتے ہیں، ملٹی نیشنلز آتی ہیں۔ اگر کوئی اس کاکروچ کو ہماری لابی کا فرش استعمال کرتے دیکھ لیتا تو؟'' وہ اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''سر یہاں تو ہمیں ساری زندگی ہمارے اپنے رشتے استعمال کرتے رہتے ہیں اگر ایک کیڑے نے ذرا سا فرش پر چل لیا تو کیا ہوا؟ اپنا دل بھی تو بار بار دھو لیتے ہیں ہم، فرش بھی دھل جائے گا۔'' پارس نے گہری سانس لے کر شانے ذرا سے اچکائے۔ وہ ہلکا سا چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ جب وہ کچھ دیر اور کچھ نہ بولے تو پارس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ اسے جیسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔

''سر، میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا، میں فرزانہ میڈم سے کہہ دوں گی۔ سارے عملے کو پھر سے تنبیہ ہو جائے گی۔ میری بات کو درگزر کر دیجیے گا۔ مجھے ہوٹل یہاں کھڑے ہونے اور بڑی سے بڑی تلخ بات کو بھی خوش اخلاقی سے مٹا دینے کے پیسے دیتا ہے۔ میں بس اپنی جاب کر رہی تھی۔'' وہ محض ایک نظر اس پر ڈال کر آگے بڑھ گئے۔ صفائی کا عملہ پہنچ گیا تھا۔ پریشانی، ہلچل، مگر رضوان حیات کچھ کہنے بنا جا چکے تھے۔ پارس کو ذرا سی فکر ہوئی پھر کندھے اچکا کر کام کرنے لگی۔

اس کے سامنے ابلتے فوارے کا پانی ہنوز گر رہا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ ہیروں کی طرح گرتے قطرے آہستہ آہستہ منظر مٹاتے گئے اور صفحے کو کورا کر دیا پھر اس سفیدی پر مٹے رنگ ابھرنے لگے۔

''دیکھ شکیل کو پیسے چاہیے ہیں۔ تو کسی بھی طرح تین لاکھ کا بندوبست کر۔'' وہ کچن میں کھڑی سلیب صاف کر رہی تھی جب پیچھے سے فیروزہ مائی آکر بولی۔ اس نے جیسے تھکن سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ بال پونی میں باندھے، سادہ شلوار قمیص اور سوئٹر میں ملبوس وہ تکان زدہ لگ رہی تھی۔

''امی، تم جانتی ہو میری نئی، نئی نوکری لگی ہے۔ مجھے اتنی جلدی ایڈوانس نہیں مل سکتا اور تین لاکھ تو ایڈوانس سے بھی اکٹھا نہیں ہوگا۔''

''مجھے باتیں نہ سنا پارو۔ تیرے بھائی کا تازہ تازہ کاروبار شروع ہوا ہے دبئی میں۔ اب پیسے نہیں دے گی تو برسوں کی محنت ضائع جائے گی۔''

''کون سی محنت؟'' وہ واپس سلیب پر جھکتے ہوئے ہلکا سا بڑبڑائی۔ ''پہلے غیر قانونی طور پر دبئی گیا وہاں پکڑا گیا، ضمانتوں کے پیسے بھرے وہ قرضے اترے نہیں کہ.....''

''منہ میں بن بن نہ کر، دیکھ رہی ہوں میں تجھے جب سے مری آئی ہے بہت زبان چلنے لگی ہے تیری مگر یاد رکھ میرے ساتھ جھوٹ بولا ناں تو.....''

''کون سا جھوٹ امی؟'' وہ روہانسی ہوئی۔ ''اتنا قرضہ نہیں مل سکتا، خود کو گروی رکھ دوں کیا؟''

''زبان نہ چلا میرے آگے۔ بس مجھے اپنے باس وغیرہ کے پاس لے جا میں خود بات کرلوں گی۔''

''امی، خدا کا خوف کرو۔'' وہ دہل گئی۔ ''میں ہوٹل کی ایک معمولی ریسپشنسٹ ہوں۔ میں باس سے خصوصی ملاقات کا سوچ بھی نہیں سکتی کہاں یہ کہ آپ کو ساتھ لے جاؤں، ویسے بھی وہ یہاں نہیں ہوتے۔''

''مجھے سب پتا ہے یہ ہمارے آس پاس ہوٹل کا عملہ ہی رہتا ہے۔ سن لیا ہے میں نے کہ بڑے صاحب صبح سے اِدھر ہی ہیں اور فون بھی آگیا تھا ابھی تجھے رضوان صاحب نے بلایا ہے اپنے آفس۔ شام پانچ سے چھ بجے کے درمیان۔ بس میں تیرے ساتھ چل رہی ہوں۔''

''مجھے بلایا ہے رضوان صاحب نے مگر کیوں؟'' وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

''یہ ڈرامے کسی اور کے سامنے کر..... پانچ بجے تیار رہنا میں بھی ساتھ چلوں گی۔ وہ وائل کا نیلا جوڑا پہن لوں گی۔'' وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''نہیں امی پلیز، کیوں بے عزتی کرواتی ہو۔ انہوں نے مجھے ڈانٹنے کے لیے ہی بلایا ہوگا۔ خدا کے لیے میرے لیے اور مشکلیں کھڑی نہ کرو۔'' وہ پریشان ہوگئی تھی۔ اسفنج، صابن سب رکھ دیا۔

''میں کچھ نہیں سن رہی۔ میں چل رہی ہوں تیرے ساتھ۔ دیکھنا وہ تجھے فوراً قرضہ دے دے گا۔'' وہ حتمی لہجے میں کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔ پارس بے بسی سے اسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں متوقع توہین کے احساس سے پانی بھرنا شروع ہوگیا تھا۔

''اوہ میڈم آپ!'' پھولی سانسوں کے درمیان آتی آواز۔ یادوں کا بلبلہ ٹوٹا بے رنگ پانی کے ساتھ رنگ فضا میں قطروں کی صورت بکھر گئے پارس چونک کر پلٹی۔

وہ جنگل میں تھی۔ اس کے دائیں طرف سے فائز بھاگتا چلا آرہا تھا۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس، بال گیلے، چہرہ ورزش کی تمازت سے گلابی ہوتا ہوا۔ اس کے قریب آکر وہ رکا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی اِدھر واک کرتی ہیں۔'' پھر اس نے ذرا فکرمندی سے اسے دیکھا۔ ''خیریت میم، آپ ٹھیک ہیں؟'' پارس نے جواب دیے بنا اس سمت دیکھا جہاں وہ کیڑا رینگ رہا تھا۔ اب وہ اُدھر نہیں تھا۔ وہ ہاتھ جھاڑتی اٹھ

کھڑی ہوئی۔

''ہاں، تھینکس۔ کچھ کھو گیا تھا تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔'' پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مگر ہر کھوئی چیز واپس نہیں ملتی۔ اپنے ہاتھوں سے کسی کو کھو دو تو وہ کبھی واپس نہیں ملتا۔''

فائز کے چہرے پر سایہ سا لہرایا، لب بھنچ گئے آنکھوں میں پتھراہٹ آگئی۔

''کیا اس نے ابھی اعترافِ جرم کیا ہے؟ اپنے ہاتھوں سے بھائی جی کو کھونے کا مطلب انہیں جان سے مارنا ہے؟'' پارس اسے دیکھے بنا سست روی سے آگے چلنے لگی۔ وہ چہرے پر ڈھیروں سختی اور کرب لیے اس کے پیچھے قدم اٹھانے لگا۔

''آپ نے کس کو کھو دیا؟'' وہ دھیرے سے بولا حتی المقدور کوشش کی کہ آواز میں سرد پن نہ جھلکے مگر وہ اس کے لہجے کی تلخی محسوس کرنے سے بہت دور تھی۔

''میں نے بہت کچھ کھویا ہے اور سب خود ہی کھویا ہے۔ سب میرا قصور تھا۔'' وہ جیسے قدم کہیں اور اٹھا رہی تھی پڑ کہیں اور رہے تھے۔

''کیوں خود کو بلیم کر رہی ہیں؟ جو ہوتا ہے قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔''

''میں نے بہت کچھ گنوا دیا خود ہی۔ سب خود ہی کیا۔'' وہ جیسے اس کی بات سن ہی نہیں رہی تھی۔ اپنے فارمل persona کو بھلائے وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ کسی ایسے مسافر کی طرح جو سب کچھ ہار کر ننگے پاؤں صحرا میں چل رہا ہو۔ جسے نہ پیاس ہو نہ منزل کو پانے کی چاہ.....

فائز کے ماتھے کی رگیں تن گئیں۔ آنکھوں کے سامنے ان گزرے برسوں میں بیتے بہت سے پل لہرائے۔ بھائی جی، اس کے باپ جیسے بھائی.....اور اس عورت نے خود ہی انہیں مار دیا، اپنے ہاتھوں سے اور کوئی اسے سزا نہیں دے گا؟ پارس آگے چل رہی تھی۔ وہ نامحسوس انداز میں جھکا اور جوگرز کے تسمے جلدی جلدی کھول کر نکالے پھر ان کے درمیان گرہ لگائی اور سیدھا ہوگیا۔

''میڈم، آپ کو نہیں لگتا کہ آپ بے جا خود کو پریشان کر رہی ہیں؟'' وہ اس کے عین عقب میں چل رہا تھا۔ لمبا تسمہ دونوں ہاتھوں میں لپیٹتے ہوئے اس کی پارس کی پشت کو دیکھتی آنکھیں نفرت سے بھری تھیں۔

''رضوان صاحب چلے گئے تو وہ اللہ کی مرضی تھی۔ اب بھی بہت کچھ ہے آپ کے پاس والدہ، خاندان والے، گھر، ہوٹل بہت کچھ۔'' وہ اب اس کے بہت قریب تھا۔ صرف ذرا سے بازو آگے بڑھا کر تسمہ اس کی گردن کے گرد لپیٹ سکتا تھا۔

''پتا نہیں فائز صاحب، آپ نہیں سمجھ سکتے۔'' وہ سر جھکائے بولی تو واضح ہوا کہ وہ اس کی اتنے نزدیک موجودگی سے بخوبی واقف تھی۔

''چیزیں حیثیت نہیں رکھتیں، انسان بھی نہیں رکھتے، اہم ہوتے ہیں رشتے جب ہم سے چیزیں چھین لی جائیں تو دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا ہے مگر جب رشتے کھو جائیں تو دل ایسا ڈوبتا ہے کہ ابھر نہیں سکتا، سانس تک رک جاتی ہے پھر زندگی میں کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''مجھے بھی کچھ اچھا نہیں لگتا پارس بی بی۔ مجھ سے میرا باپ جیسا بھائی چھین لیا تم نے۔ تمہیں حساب دینا پڑے گا، لازماً۔'' اس نے تسمے ہاتھوں میں ٹائٹ کرتے ہوئے سوچا اور بازو اونچے کیے۔ پارس ایک دم رک گئی۔ فائز کے ہاتھ فضا میں ہی ٹھہر گئے، سانس بھی ٹھہر گئی۔ پارس کی پشت ابھی تک اس کی طرف ہی تھی۔

کیا رضوان حیات کا قتل فیروزہ مائی نے کیا؟ کیا فیضان اپنے مشن میں کامیاب رہا؟ کیا پارس بھی اپنے منصوبے میں کامیاب رہی.....؟ یہ سب جاننے کے لیے اختتامی حصہ ضرور پڑھیے مگر اگلے ماہ۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ناول

پارس

نمرہ احمد

دوسرا حصہ

پارس کی ابھی تک اس کی طرف پشت تھی۔

''اوہ..... کاکروچ.....!'' اس نے سر جھکائے، جوتے کی نوک سے پتے ہٹائے تو.... سرسرانے کی آواز آئی جیسے کوئی کیڑا تیزی سے آگے

دوڑا ہو، وہ اداسی سے ہنسی۔ جنگل کے ویرانے
اس کی ہنسی نے زندگی بھر دی۔

''پتا ہے، میری اور رضوان کی پہلی با
ملاقات بھی ایک کاکروچ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہتی ہوئی پھر سے آگے بڑھنے لگی۔ ''رضوان..... آپ کیوں چلے گئے!''

فائز کے تسمہ لپیٹے ہاتھ ابھی تک فضا میں تھے، سانس بھی رکی ہوئی تھی۔ وہ اس کی دسترس سے دور ہونے لگی، تب بھی وہ نہیں ہلا، بھائی جی کا ذکر ہر شے پہ چھانے لگا۔ کوئی منتر سا تھا جو وہ پھونک گئی تھی۔

''بہت اکیلا کر گئے ہیں وہ مجھے، یہ شکوہ ان سے ہمیشہ رہے گا۔'' وہ اب اس سے چند گز دور تھی۔ اس کی آواز ہلکی ہوگئی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں مڑی تھی، بس اپنی رو میں چلتی جا رہی تھی۔

''حالانکہ جانے والا جان کر ساتھ نہیں چھوڑتا، پھر بھی شکوہ اسی سے ہوتا ہے، پتا نہیں کیوں..... فائز؟'' وہ جیسے اس کو اپنے عقب میں محسوس نہ کرتے ہوئے رکی اور دوبارہ ''فائز'' پکارتے ہوئے مڑی۔

وہ بجلی کی سی تیزی سے جھک کر بظاہر جوتے کو ٹھیک کرنے لگا تھا۔

''کیا ہوا؟'' پارس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کچھ چبھ گیا تھا، بس نکل آیا۔'' جوتے میں ایڑھی کی طرف انگلی ڈال کر کچھ نکالتے ہوئے وہ جبراً ذرا سا مسکرایا۔ پھر ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھا۔ گرہ بندھے تسمے پہلے ہی جیب میں ڈال چکا تھا۔

''ہوں.....'' وہ سر ہلا کر واپس مڑ گئی اور اسی رفتار سے چلنے لگی جیسے اس کے ساتھ ملنے کا انتظار بھی نہ ہو جیسے ایک دفعہ بس رسماً پوچھا ہو۔ وہ اب جاگنگ کے بجائے شکست خوردہ سا دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ دوبارہ جیب میں پڑے تسمے کی طرف نہیں گیا تھا۔ جا ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر اضطراب تھا، بے بسی تھی، تذبذب بھی تھا اور مایوسی بھی۔

''آفس میں ملتے ہیں۔'' وہ اب بھی اس سے کافی آگے تھی۔ جب جنگل کے اختتام پہ رک کر مڑی پھر اس کا چہرہ بس لمحے بھر کے لیے دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ سر بھی نہ ہلا سکا۔ مسکرا بھی نہ سکا۔

''رضوان، آپ کیوں چلے گئے؟''

''رضوان، آپ کیوں.....''

''رضوان.....''

اگر وہ منتر تھا تو اس کا طلسم فائز کے پورے وجود پہ چھا رہا تھا اور اگر وہ جھوٹ کا جالا تھا تو وہ اس میں لپٹ جانے کو تیار تھا۔

☆☆☆

''تمہیں کیا لگتا ہے، اگر وہ یہ الفاظ نہ کہتی تو تم اسے قتل کر دیتے؟ میرا خیال ہے تب بھی تم ایسا نہ کرتے۔'' کافی کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرنے سے قبل تنویر صاحب نے بغور اسے دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا اور پھر کپ لبوں سے لگایا۔

فائز کا کپ اس کے سامنے رکھا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ وہ دونوں تنویر صاحب کے آفس میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ تنویر صاحب گھونٹ بھرتے ہوئے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، البتہ وہ الجھا الجھا سا اپنے کپ پہ نگاہیں جمائے، وہاں سے بہت دور لگ رہا تھا۔

''اگر وہ یہ نہ کہتی تو میں اس کا گلا واقعی دبا دیتا۔'' وہ لب بھینچے بولا۔ جیسے خود پہ غصہ آنے لگا ہو، تنویر صاحب نے تیکھی اڑانے والے انداز میں سر جھٹکا۔

''فیضی، ایسا نہیں ہوسکتا، تم بہت کچھ ہو سکتے ہو، قاتل نہیں..... اسے مار کر تمہیں کیا ملے گا؟''

''بھائی جی کا بدلہ..... اور ہوٹل.....'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

تنویر صاحب نے کپ میز پہ رکھا، ٹیک لگائی اور آنکھیں سکیڑے غور سے اس کے تاثرات دیکھے۔

''فیضی تم مری اپنے بھائی جی کے لیے آئے ہو یا ہوٹل کے لیے؟''

فیضان چونکا پھر اپنے کو سنبھال کر سر جھٹکا۔

''آف کورس بھائی جی کے لیے، ہوٹل کی بات سے میرا یہ مطلب نہیں تھا مگر ہوٹل بھی تو ہمارا ہے، پارس نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے۔''

''غلط، ہوٹل رضوان اپنی زندگی میں ہی پارس کے نام کر چکے تھے، قانونی طور پر وہ تمہارا نہیں ہے۔''

''مگر چھ میں سے تین ہوٹلز بھائی جی نے اس کے نام کر دیے، ہم ان کے سگے بہن، بھائی تھے ساری زندگی ساتھ گزاری، اس جائداد کے اہل ہم تھے وہ نہیں۔'' اس کا چہرہ پھر سے تمتمانے لگا۔ ''وہ اداکارہ ہے، جادو گرنی ہے، اس نے بھائی جی کو نہ معلوم کس طرح ورغلا کر ہوٹلز اپنے نام لگوائے مگر وہ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتی، ڈیم اٹ۔'' اس نے غصے سے مٹھی میز پر ماری، رہ رہ کر خود پہ تاؤ آ رہا تھا۔

''کتنا اچھا موقع تھا، میں مار سکتا تھا اسے.....

پھر اس کا گلا دبا کر لاش پہاڑی سے نیچے پھینک دیتا اور جیسے اس نے بھائی جی کا پوسٹ مارٹم نہیں ہونے دیا تھا اس کا بھی نہیں ہونے دیتا مگر نہیں..... میں چھ فٹ کا آدمی اس کے ایک فقرے پہ ہار گیا۔'' وہ اٹھ کر بے چینی و طیش سے ٹہلنے لگا۔ ''صبح کیا ہو گیا تھا مجھے آخر؟ کیوں بھول گیا میں کہ وہ میرے بھائی جی کی قاتل ہے، کیوں میں نے لمحے بھر کو اسے معاف کر دیا..... آخر کیوں؟'' اس نے دیوار پہ مکا مارا.....

تنویر صاحب نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''اس ایک فقرے میں ایسا کیا خاص تھا جو تمہارا اتنا اٹل ارادہ بدل گیا فیضی؟'' اس نے کرب سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں موندیں۔ وہ اب دیوار سے لگا کھڑا تھا۔

''مان تھا اس میں، محبت تھی۔ جیسے وہ بھائی جی کو بہت مس کرتی ہو جیسے ان کے پاس جانا چاہتی ہو، بہت خالص لہجہ تھا اس کا۔'' اس نے آنکھیں کھولیں اور انہی زخمی نگاہوں سے تنویر صاحب کو دیکھا۔

''اور اس کے اس خلوص کے بعد تم دوبارہ سے کیوں سمجھنے لگے ہو کہ وہ رضوان کی قاتل ہے؟''

جواب میں بے بسی سے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''کیونکہ وہ خلوص، وہ مان، وہ لہجہ سب دکھاوا تھا، وہ اداکاری کر رہی تھی اور میں اس کے فریب میں آ گیا۔''

''صبح کی اس گھڑی، ویران جنگل میں اپنے فنانشل ایڈوائزر کے سامنے اسے اداکاری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ بالکل بھی الجھے ہوئے انداز میں سوال نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کا لہجہ بہت نپا تلا، بہت محتاط تھا۔ جیسے گرم لوہے کی تپش کا اندازہ لگانے کو احتیاط سے انگلی کی پور اس سے چھوؤ اور چھوتے ہی واپس کھینچ لو۔ جیسے گرم لوہے پہ ضرب لگانے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔

''کیونکہ..... ڈیم اٹ..... کیونکہ میں اس کا فنانشل ایڈوائزر نہیں ہوں.. میں رضوان حیات کا اکلوتا بھائی ہوں اور یقیناً وہ یہ بات جانتی ہے۔'' اس نے شکست خوردہ انداز میں اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ ''وہ میرے ساتھ کھیل، کھیل رہی ہے، وہ میرے اعصاب آزما رہی ہے، وہ یقیناً میری اصلیت جانتی ہے، وہ انتظار کر رہی ہے کہ کب میں اس کے سامنے آ جاؤں اور.....''

''اور؟'' تنویر صاحب نے ابرو اٹھائی، گرم لوہے کو پھر ہلکا سا چھوا۔

''اور اس سے یہ کرسی چھین لوں، جس پہ بھائی جی مجھے بٹھانا چاہتے تھے۔'' وہ بے بسی و تنفر سے کہتا ان کے سامنے واپس آ بیٹھا۔

''رضوان اس کرسی پہ تمہیں بٹھانا چاہتے تھے؟ آر یو شیور فیضی؟'' انہوں نے اس کی کافی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنا کپ پھر سے اٹھا لیا۔

فائز نے جواب دینے کے لیے لب کھولے اور ساتھ ہی نگاہیں کافی کے کپ پہ گرائیں۔ جھاگ بیٹھ چکا تھا اور سطح پہ بچی کھچی کریم اور کڑوے مائع نے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

عجیب ہیئت اختیار کر رکھی تھی۔ جیسے براؤن، پنک اور سفید ٹیڑھی میڑھی سڑکیں ہوں اور وہ واقعی سڑکیں ہی تو تھیں، گزرگاہیں جن پہ بہتے مائع کے ہر قطرے میں کوئی صبح، کوئی شام، کوئی رات چھپی تھی۔

یادوں کی گزرگاہیں.....

رضوان حیات نے کافی کا گھونٹ بھرا اور اس کی ساری بات پر جیسے سر ہلاتے ہوئے کپ میز پر رکھا۔ قلموں کے سفید ہوتے بال، بارعب مونچھیں مگر آنکھوں میں چھایا ایک باوقار، مہربان اور مشفق سا تاثر۔ اسٹڈی کی بلائنڈز جو رضوان کے عقب میں تھیں، آدھی کھلی تھیں اور اُن سے چھن کر آتی روشنی، ان کے اطراف سے نکل رہی تھی۔ ایسے میں ان کا چہرہ مزید تاریکی میں چلا گیا تھا۔

مہربان سی تاریکی.....

''آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

اسٹڈی ٹیبل پر اُن کے مقابل، میز پر ہاتھ ملا کر رکھے آگے ہو کر بیٹھا فکرمند سا نوجوان بولا..... رضوان ہلکا سا مسکرائے۔

''تم ہوٹل سنبھالنا چاہتے ہو، اس سے زیادہ خوشی کی بات میرے لیے کیا ہوگی؟'' انہوں نے پیالی پرچ میں واپس رکھی..... کانچ سے کانچ ٹکرایا..... فکرمند نوجوان کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے..... وہ بالآخر مسکرا دیا۔

''مجھے معلوم تھا کہ آپ خوش ہوں گے پھر کب سے کام شروع کروں میں؟''

''کل سے کر دو بے شک!'' وہ محبت سے مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔

''اوکے۔'' وہ خوش نظر آ رہا تھا۔

''مگر تم کس ہوٹل میں کام کرنا چاہو گے؟'' انہوں نے اپنی ادھوری چھوڑی فائل دوبارہ کھولی اور میز پر رکھی عینک آنکھوں پہ لگائی۔

''جانتا ہوں کہ مری والا ہوٹل آپ کا سب سے قیمتی ہوٹل ہے مگر پہلا ہوٹل اور ہیڈ برانچ تو لاہور والا ہی ہے ناں، اس لیے یہیں کام کرنا چاہوں گا ویسے.....'' وہ جیسے سوچنے کو رکا..... ''آپ عینک صاحب کو کہاں ایڈجسٹ کریں گے؟''

رضوان نے عینک کے اوپر سے اسے حیرت سے دیکھا۔

''سیٹھی صاحب.....؟ ہمارے لاہور والے ہوٹل کے جی ایم؟ کیوں، وہ کہاں جا رہے ہیں؟''

''میرے آنے کے بعد تو انہیں کہیں بھیجنا ہی پڑے گا ناں.....'' اس نے اب کے ریلیکسڈ انداز میں کہتے ہوئے میز پہ رکھا جار کھولا اور ایک کلی نکالا۔

''کیوں..... تم تو فنانس ڈیپارٹمنٹ سے شروع کرو گے ناں؟ ان کا اس سے کیا تعلق.....؟''

''شروع؟'' بسکٹ آدھا منہ میں تھا کہ وہ رک گیا۔ ''مجھے شروع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کل جی ایم کی سیٹ سنبھالنے کے لیے تیار ہوں، امریکا سے ڈگری لے آیا ہوں، اب مزید انتظار کیسا.....؟'' اس نے جیسے اس بات کو احمق بچے کی..... بے وقوفی سمجھ کر اڑایا۔ رضوان نے عینک اتار کر میز پر رکھی..... فائل پرے کی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''فیضی..... تم ڈائریکٹ جی ایم کیسے بن سکتے ہو؟ پہلے دن کوئی بھی باس نہیں بن سکتا بیٹے..... نیچے سے شروع کرنا پڑتا ہے۔''

''آپ تو پہلے دن سے ہی اپنے ہوٹلز کے مالک تھے۔'' اس نے آدھا کترا بسکٹ واپس رکھا اور خفگی سے بولا۔

''میں پہلے ہی دن ایک سیون اسٹار ہوٹل کا مالک نہیں بن گیا تھا۔ پہلے دن میں ایک ڈھابے کا منیجر بنا تھا۔ اس جگہ آنے تک مجھے تیس سال لگے ہیں، ترقی آہستہ، آہستہ ہی ہوتی ہے۔'' رضوان نے گہری سانس بھری۔

''مجھے آپ کی success story نہیں

سنی بھائی جی۔'' وہ جی بھر کر بیزار ہوا۔ ''مجھے بتائیں کہ میں کب جی ایم بن رہا ہوں۔''

''تم سے زیادہ قابل اور بہتر گریڈز والے لوگ ہمارے پاس سالوں سے کام کر رہے ہیں اور وہ ابھی تک اس عہدے پر بھی نہیں پہنچ سکے جس سے اوپر کا عہدہ تم مانگ رہے ہو.....''

''ویل، سمپل! کیونکہ وہ رضوان حیات کے بھائی نہیں ہیں اور میں آپ کا بھائی ہوں۔'' کرسی سے ٹیک لگا کر اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھے نوجوان کے انداز میں اب خودسری در آئی تھی۔

''یہ اپروچ درست نہیں ہے فیضی..... اس طرح تم ایک اچھے ہوٹلیئر نہیں بن سکتے اور تمہیں تو مجھ سے بھی آگے جانا ہے بیٹے۔''

''مطلب آپ مجھے جی ایم نہیں بنانا چاہتے؟'' اس کے ماتھے پر بل تھے، آنکھوں میں ناگواری..... رضوان نے تاسف و ملال سے اسے دیکھا۔

''بات میرے چاہنے یا نہ چاہنے کی نہیں ہے، بات اصولوں کی ہے جنہیں لے کر میں ہمیشہ چلا ہوں اور اگر ان پر عمل نہ کرتا تو آج یہاں نہ پہنچ سکتا۔ میرٹ، میرٹ ہوتا ہے فیضی.....''

''میں پڑھا لکھا ہوں، باہر کی ڈگری ہے، آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے یا تو میں جاہل، بے ایمان آدمی ہوتا تو آپ کہتے، مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے میری قابلیت کے باوجود آپ ہوٹل کیوں نہیں سنبھالنے دے رہے؟''

''ہوٹل تم نے ہی سنبھالنا ہے فیضی..... میرے کون سے بچے ہیں جن کے نام میں کچھ کر جاؤں گا۔'' اُن کی آنکھوں میں بے حد دکھ ابھرا..... فیضان نے ہونہہ کہہ کر رخ پھیر لیا۔

''اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم پہلے کام کا مشکل وقت گزارو، محنت کرو پھر اونچے لیول پر آؤ جو شخص ایک ہی جست میں سیڑھیاں عبور کرنا چاہے وہ سب سے اونچے زینے پہ پہنچ تو جاتا ہے مگر آگے اسے خلا ملتا ہے۔ قدم قدم زینے چڑھو گے تو اوپر روشن راہداریاں ہی ملیں گی اور ان کو پانے کی خوشی بھی.....'' وہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''مطلب ابھی آپ مجھے اپنے شاندار ہوٹلز کے قابل ہی نہیں سمجھتے؟'' اس نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔

''ارے، میں تو خوش ہوں کہ تم وہاں کام کرو گے، میں تو چاہتا ہوں تم کل سے کام سنبھال لو مگر.....''

''مگر نچلے درجے کا کام.....'' وہ طنزیہ بولا۔

''فیضی..... میں تمہیں چپڑاسی نہیں بھرتی کر رہا..... ایک اچھی پوسٹ دے رہا ہوں، تمہیں ترقیاں بھی جلد ملیں گی، تم شیئر ہولڈر بھی ہو گے، بہت جلد تم اس مقام پر.....''

''جانے دیں..... مجھے تو لگتا ہے آپ مجھے اپنے بزنس میں شامل ہی نہیں کرنا چاہتے..... قبر میں ساتھ لے کر جانا ہے جیسے سب کچھ۔'' اٹھتے ہوئے آخری فقرہ وہ منحض بڑبڑایا تھا مگر انہوں نے سن لیا تھا اور اُن کے چہرے پر زخمی تاثرات ابھرے..... آنکھوں میں گہرا ملال بھرا۔

''فیضی.....'' انہوں نے اٹھتے ہوئے اسے پکارا مگر وہ سنے بغیر اسٹڈی سے نکل گیا۔ وہ آدھے کھڑے ہوتے ہوئے واپس بیٹھے۔ دل پہ ہاتھ رکھ کر مسلتے انہوں نے سر سیٹ کی پشت سے لگایا آنکھوں میں چبھن سی تھی۔

دل کو مسلتا ہاتھ اب دھیرے دھیرے ٹھہر گیا تھا بہت ضبط سے انہوں نے فائل واپس اٹھائی اور اسے دیکھنے لگے۔ عینک اٹھانا وہ بھول چکے تھے.....

کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی، سڑکیں، گزرگاہیں، جھاگ، سب غائب ہو رہا تھا۔ وہ ذرا چونکا پھر تنویر صاحب کو دیکھا، وہ جواب کے انتظار میں تھے۔

''آف کورس، بھائی جی کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میں ان کا بزنس سنبھالوں..... انہوں نے خود

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مجھ سے یہ کہا تھا۔'' وہ بہت اعتماد سے بولا۔

''ظاہر ہے، تم اُن کے بھائی تھے۔'' تنویر صاحب نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر آخری کڑوا گھونٹ بھرا..... تپش چیک کر کے وہ ہاتھ کھینچ چکے تھے۔

فائز بنا کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا، باہر آ کر وہ کاریڈور میں نہیں رکا اور اگر رکا تو پارس کے آفس کے سامنے.....

شیشے کے دروازے سے وہ ایک کاغذ پہ کچھ لکھتی دکھائی دے رہی تھی۔ سر ذرا ترچھا کیے، تیز تیز قلم چلاتی، وقفے وقفے کے بعد انگلی سے آگے پھسلنے والے بال پیچھے کرتی، وہ صبح کی اداس، کھوئی کھوئی لڑکی سے یکسر مختلف نظر آ رہی تھی۔

فائز چند لمحے خاموش مگر سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ پارس نے سر اٹھایا..... دونوں کی نگاہیں ملیں، فائز جبراً مسکرایا اور احتراماً سر کو جنبش دے کر واپس پلٹ گیا۔ پارس ایک نگاہ غلط اس پر ڈال کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

فیروزہ مائی نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا..... کمرا خالی تھا البتہ بالکونی کا دروازہ نیم وا نظر آ رہا تھا۔ وہ قدرے ہچکچائی، چہرے پر تذبذب و ہیجان کے آثار تھے پھر جی کڑا کر کے اندر چلی آئی۔

بالکونی میں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر پارس بیٹھی دور پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نہ کچھ تلاش کر رہی تھیں نہ کہیں گم تھیں، وہ بس اداس تھیں۔

''پارو..... بات تو سن.....'' فیروزہ مائی لہجے کو خوش اخلاق بناتی ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی۔

''کیا بات ہے؟'' پارس نے نگاہوں کا رخ پھیرا اور اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''دیکھ..... میں تیری ماں ہوں، کوئی حق ہے میرا تجھ پر، ہاں.....'' وہ بہت مان، بہت استحقاق سے آگے کو ہو کر بیٹھی کہنے لگی۔

پارس اسی طرح ٹیک لگائے، سامنے دیکھتی رہی۔ شال کے اندر سینے پر لپٹے بازوؤں تک بھی جنبش نہ کی۔

''اسی طرح میں شکیل کی بھی ماں ہوں، اس کی تکلیف بھی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔''

''تم صرف شکیل کی ماں ہو، امی۔''

''دیکھ، تو مجھ سے ناراض ہے، جانتی ہوں مگر میں نے ساری زندگی تیرا بہت خیال رکھا ہے، کیا تجھے یاد نہیں؟''

''مجھے کچھ بھولا ہی کب ہے؟ ہر چیز یاد ہے۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔

''تو پھر یہ بات بھی یاد ہوگی کہ آج اگر تو اس ہوٹل کی مالک ہے تو میری وجہ سے۔'' فیروزہ مائی کے لہجے سے خوش اخلاقی مفقود ہونے لگی اور اس کی جگہ دبے دبے غصے و بے بسی نے لے لی۔ ''یہ میں ہی تھی جس نے اس بڈھے سے تیرے لیے ہوٹل لکھوایا تو مہر میں، یہ میں تھی جس نے تجھے آج اس مقام تک پہنچایا ہے، میرے احسان یاد رکھ پارو۔''

پارس نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا لیا۔ اس کی نگاہیں دور پہاڑوں پہ جمی تھیں..... سرسبز پہاڑیاں، ان کے سروں کے گرد دائرے بناتے بادل، سرمئی آسمان..... خوب صورتی در خوب صورتی..... فسوں در فسوں..... راز در راز.....

اس نے بیچ سے مانگ نکال کر گردن کے پیچھے جوڑا باندھ رکھا تھا۔ کانوں میں وہی بالیاں، سانولی پرکشش رنگت پہ چھایا اضطراب، وہ سر جھکائے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ رضوان حیات نے نہ سمجھنے والی نظر اس پر ڈالی..... اور پھر اس کے ساتھ بہت استحقاق سے براجمان کرخت چہرے اور سونے کے ٹاپس والی عورت پہ جس نے سر پہ لیا دوپٹا کانوں

سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ گاہے بگاہے ایک خاموش نگاہ پارس پر بھی ڈال لیتے۔

''کرائی ہے جی اس نے مگر زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کر سکتا ناں، اسے بھی تو زخمی کر گئے تھے ڈاکو..... اب وہاں دیارِ غیر میں اکیلا بیمار پڑا ہے۔'' فیروزہ مائی کو جب لگا کہ وہ ہمدردی جگانے میں پوری طرح سے کامیاب نہیں ہوئی تو کہانی میں ایک سب پلاٹ کا اضافہ کر دیا۔ پھر پُرامید نظروں سے رضوان صاحب کا چہرہ دیکھا۔ وہ ہنوز سنجیدہ تھے۔

''کتنے پیسے تھے؟''

''پانچ لاکھ تھے جی۔'' انہیں کام کی بات پر آتا دیکھ کر وہ باقی ماندہ آنسو جلدی جلدی پونچھ کر کہنے لگی۔ ''آپ کی بڑی نوازش ہوگی صاحب، اگر آپ پارو کو اگلے پورے سال کی تنخواہ ایڈوانس اور کچھ اوپر قرض دے دیں، بس پانچ لاکھ چاہیے۔ ہم سارا قرض اتار دیں گے، ڈبل شفٹ کرے گی پارو۔''

''ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں، اب آپ جا سکتی ہیں۔'' فیروزہ مائی کا چہرہ کھل اٹھا۔

''بہت بہت شکریہ..... بڑے صاحب۔'' وہ جانے کے لیے اٹھی، پارس بھی ساتھ ہی اٹھنے لگی۔

''آپ نہیں۔'' انہوں نے فقط اتنا کہا، پارس نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے، اس کی پلکیں پھر گر گئیں وہ واپس بیٹھ گئی۔ فیروزہ مائی بنا پروا کیے باہر جا چکی تھی۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے پھر وہ سر جھکائے بہ مشکل ہمت مجتمع کر کے بولی۔

''سر، آئی ایم سوری، وہ زبردستی ساتھ آ گئیں، میں نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی مگر.....'' وہ مزید نہیں بول سکی۔ حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔ احساسِ توہین، بے بسی کمزوری، بہت سی زنجیریں اسے جکڑے ہوئے تھیں۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ کی والدہ ساتھ آ گئیں

''مجھے یاد پڑتا ہے میں نے صرف آپ کو بلایا تھا مس.....؟'' پارس نے ہراساں ہو کر اپنی پلکیں اٹھائیں، میز کے اس طرف اپنی پاور سیٹ پر وہ بیٹھے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ قفس میں باہر کی ٹھنڈ کے برعکس، ہیٹر کی گرماہٹ اور آرام دہ ماحول تھا۔ بوجھ در بوجھ..... پارس کی پلکیں واپس گر گئیں۔

''بڑے صاحب..... میں خود ہی اس کے ساتھ چلی آئی، کام تھا جی مجھے آپ سے..... اب کوئی اور تو اس پورے ہوٹل میں میری بیٹی کی نہیں سنتا، سوچا آپ ہی سے بات کی جائے۔'' آخر میں فیروزہ مائی نے اداس سی آہ بھری۔

رضوان کی آنکھوں میں تشویش ابھری۔

''کیا کوئی مسئلہ ہے؟ ہوٹل میں کچھ ہوا ہے؟'' انہوں نے پھر سے پارس کو دیکھتے ہوئے سوال کیا، اس کی ٹھوڑی مزید سینے سے جا لگی۔

''بہت بڑا مسئلہ آ گیا ہے جی، اب آپ سے کیا چھپانا؟ بیٹی میری تو کچھ بتائے گی نہیں، میں ہی بتاتی ہوں۔'' فیروزہ مائی بہ عجلت بتانے لگی۔ ''میرا بیٹا شکیل، پارس کا اکلوتا بھائی..... (سر جھکائے بیٹھی پارس کی پیشانی پر بل پڑا) بہت مشکل میں آ گیا ہے جی، عرصہ ہوا روزی کمانے دبئی گیا تھا، قرضے لے کر ٹکٹ کا آسرا ہوا تھا، اب اتنے برس میں قرضے کی ساری رقم جمع کی کہ اس آدمی کو واپس کرے کہ اس کے گھر کے راستے میں ڈاکوؤں نے پستول تان کر سب چھین لیا، ہم پر تو جی قیامت ٹوٹ پڑی۔ برسوں کی محنت پائی، پائی جوڑ کر جمع کی گئی رقم..... سب کچھ برباد ہو گیا۔'' فیروزہ مائی اب آنسوؤں کے ساتھ بہتے ہوئے بار بار اپنے نیلے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

''پولیس میں رپورٹ کروائی؟'' رضوان حیات

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ورنہ میں تو کبھی جان نہیں سکتا تھا کہ آپ اصل میں کون ہیں۔"

اس نے نگاہیں اٹھائیں، الفاظ سخت تھے مگر ان کا لہجہ اور چہرہ بہت پُرسکون اور نارمل تھا۔

"کیا وہ واقعی آپ تھیں جو کل لابی میں صفائی کے عملے کو ڈیفنڈ کرتے ہوئے کاکروچز کے بارے میں اظہارِ خیال کر رہی تھیں؟ میں نے اپنے آفس میں آج جس لڑکی کو بلایا تھا، مجھے کہنے دیجیے کہ آپ وہ نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے متعلق میرے سارے اندازے غلط تھے۔" وہ حیران تھے، متعجب تھے، مگر غصے میں نہیں تھے۔ ان کا پُرسکون انداز پارس کے تنے ہوئے اعصاب کو مزید ٹینس کر گیا۔

"سر۔ جیسا کہ میں نے کل کہا تھا، مجھے ہوٹل جس کام کی تنخواہ دیتا ہے، میں کل وہی کر رہی تھی۔ وہ میرا ڈیوٹی ٹائم تھا مگر اس وقت میرا ڈیوٹی ٹائم نہیں ہے، ابھی میں اپنی جاب نہیں کر رہی۔"

"کیا انسان کی پوری شخصیت ڈیوٹی ٹائم ختم ہونے کے ساتھ ہی بدل جاتی ہے؟ اتنی زیادہ بدل جاتی ہے؟"

پارس نے گہری سانس باہر کو خارج کی، اس کی ندامت اور خجالت اب مدافعانہ انداز میں بدلنے لگی تھی۔ فیروزہ مائی جا چکی تھی اور اس کا اعتماد واپس آ رہا تھا۔

"سر یہ منحصر ہے کہ انسان کن حالات سے گزر رہا ہے۔ آپ اس کو منافقت کا نام دینا چاہ رہے ہیں شاید، ٹھیک ہے..... مگر میں اسے مجبوری کا نام دوں گی۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ آپ کا یہ کمزور اور بے بس سا ایٹی ٹیوڈ صرف اپنی والدہ کی موجودگی میں تھا تو.....؟" وہ محتاط انداز میں بولے۔

"تو میں کہوں گی کہ یہ ارادتاً نہیں، عادتاً تھا۔ کچھ لوگوں کے سامنے آپ کبھی آواز بلند نہیں کر سکتے۔"

"یہ ادب تھا یا محبت.....؟"

"مجبوری تھی سر....." اس نے بجھا قدرے اعتماد سے سر اٹھا کر اُن کی آنکھوں میں دیکھا۔ "یہ منظر بہت دفعہ دُہرایا جا چکا ہے، میں سے اب تک، ہر تیسرے چوتھے مہینے اپنے employer کے سامنے بے عزت ہونا، قرض کے لیے ہاتھ پھیلانا..... مگر بہت دفعہ کی دُہرائی کے باوجود بھی مجھے اس منظر کی عادت نہیں پڑ سکی۔ دفعہ اتنا ہی زیادہ باعثِ شرمندگی ہوتا ہے جتنا پہلی بار ہوا تھا۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے قرضہ مت دیں، ہو سکے تو مجھے نوکری سے نکال دیں مگر یہ قرضہ مت دیجیے گا۔ سمجھیں کہ میری ماں آپ کے پاس آئی ہی نہیں تھی۔"

رضوان حیات نے خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

"میں جاؤں، سر؟" وہ اٹھتے ہوئے اجازت طلب کر رہی تھی۔

"بی بی آج کھانے میں کیا پکانا ہے؟" بابا کی آواز پر ماضی کا فسوں، خوب صورتی اور راز..... سب سرسبز پہاڑیوں میں بکھر گئے۔ اس نے دھیرے سے گردن موڑ کر چوکھٹ میں کھڑے بابا کو دیکھا، جو جواب کے منتظر تھے۔ فیروزہ مائی کب کی جا چکی تھی۔

"کچھ بھی بنا لیں یا فیروزہ بیگم سے پوچھ لیں۔"

"جی بہت بہتر....." وہ کہہ کر پلٹنے لگے پھر جیسے رکے، چہرے پر ہچکچاہٹ در آئی۔

"پارس بیٹی....." وہ رکے۔

"جی کہیے، کوئی بات ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے؟" پارس بغور اُن کا انداز دیکھ رہی تھی۔

"جی نہیں....." انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ جیسے دُکھی بھی تھے مگر مجبور بھی تھے۔

"بس بڑے صاحب بہت یاد آتے ہیں۔" انہوں نے نم ہوتی آنکھیں رگڑیں۔ پارس اداسی

سے مسکرا دی۔

"وہ بھولے ہی کب ہیں افضل بابا؟" بابا مزید کچھ کہے بغیر پلٹ گئے، پارس کی مسکراہٹ سمٹی، اس نے ذرا تشویش سے انہیں جاتے دیکھا۔ کچھ تھا جو افضل بابا کو پریشان کر رہا تھا۔

☆☆☆

آفس میں معمول کا آرام دہ ماحول تھا۔ گلاس ڈورز کے اس پار پارس اپنی پاور سیٹ پہ بیٹھی، لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے بال دونوں کندھوں اور کمر کو ڈھانپے ہوئے تھے، آنکھوں میں وہی سپاٹ پن اور سنجیدگی تھی جو اس کا خاصہ تھا۔

دفعتاً انٹرکام کی گھنٹی بجی..... اس نے مصروف سے انداز میں اسکرین کو ہی دیکھتے ہوئے ریسیور کان سے لگایا۔

"یس.....؟"

"میم، میں ریسپشن سے فضہ بات کر رہی ہوں۔"

"فضہ، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ماسوائے کسی بہت اہم کام کے آپ مجھے ڈسٹرب نہیں کریں گی؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"آئی ایم سوری میم..... مگر ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں، شجاع طاہر علی، کیا میں اُن کو آپ کے بلاک میں بھیج دوں؟"

پارس کی آنکھوں میں اضطراب در آیا۔ بھویں سکڑ گئیں۔ بے اختیار اس نے دانت سے نچلا ہونٹ کاٹا۔

"جی بھیج دیں۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔ چہرے پر ناقابلِ فہم تاثرات تھے۔ چند لمحے وہ مضطرب سی بیٹھی رہی پھر فون اٹھایا۔

اس کے گلاس ڈورز کے باہر ڈیسک پہ بیٹھی سیکرٹری کا انٹرکام بجا، اس نے پھرتی سے ریسیور کان سے لگایا۔

تمھیں کیا معلوم

بات بے بات ہنسنے والو
تمھیں کیا معلوم
اندر کی گھٹن کیا ہوتی ہے
سطحِ آب کی لہریں گننے والو
تم کیا سمجھو گہرائی کیا ہوتی ہے؟
اپنی آنکھوں کو ثروت کی تیز چمک سے چکا چوند کرنے والے
بھوکے لوگو.....! تمھیں کیا معلوم بھوک کیا ہوتی ہے
زندگی کو ارزاں کہنے والے
ناشکرے لوگو! تمھیں کیا معلوم، زندگی کی قیمت
موت کی تلخی کیا ہوتی ہے، سانس کی ڈوری کیا ہوتی ہے
راتوں کو گہری نیند سونے والے
رت جگوں کی نفرت میں
کتنا کرب ہوتا ہے
تم کیا سمجھو، تم کیا جانو

مرسلہ: سامعہ تبسم
کلام: سعد اللہ شاہ

"یس میم۔"

"ابھی شجاع طاہر نام کے ایک صاحب آئیں گے، انہیں اپنے پاس روکے رکھیے گا اور جب تک میں نہ کہوں، اندر مت بھیجیے گا۔ کیا میری بات آپ کو سمجھ آ گئی ہے؟" سیکرٹری نے دروازے کے پار پارس کو دیکھا۔ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"جی بالکل، میم.....!"

پارس نے ریسیور واپس رکھا اور لیپ ٹاپ سائڈ ٹیبل پر رکھ کر رخ موڑ لیا، یوں کہ باہر سے اس کی کرسی

www.paksociety.com